خطباتِ فقیر
28
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

مجددی مدظلہم

223 سنت پورہ فیصل آباد

041-2618003

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

❁❁❁❁

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾

(البقرۃ:۱۶۵)

تکمیلِ ایمان

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 30 اپریل 2010ء مطابق جمادی الاول ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خطبہ جمعۃ المبارک

تکمیلِ ایمان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم :

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطَا لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدْ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ)) (ابی داود، رقم: ۴۶۸۶)

اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ایک رہنما حدیث:

ہر کلمہ گو شخص کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ میرا ایمان کامل ہو جائے، مجھے ایمان میں کمال حاصل ہو جائے اور اس کے لیے وہ کوشش بھی کرتا ہے اور جستجو بھی ہوتی ہے کہ میں کون کون سے کام کروں جن سے کہ مجھے ایمان کا کمال حاصل ہو جائے، میں کامل مومن بن جاؤں۔ چنانچہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں اس مضمون کو کھولا ہے۔ محسنِ انسانیت نے چند جملوں کے اندر دریا کو کوزے میں بند کر دیا، جو ایمانِ کامل کے متلاشی تھے، ان کے لیے منزل پر پہنچنا آسان کر دیا۔

چنانچہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطَا لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ)) (ابی داؤد، رقم:۴۶۸۳)

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے غصہ کیا اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روکا پس اس نے ایمان مکمل کر لیا''

اس حدیث مبارک میں چار چیزیں بیان کی گئیں جو بندے میں پیدا ہو جائیں تو اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

۱ اللہ کے لیے محبت ہونا

حدیث شریف میں جو پہلی بات بیان فرمائی گئی ہے:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ))

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی''

محبت کے مختلف انداز ہوتے ہیں:

...... بسا اوقات یہ محبت فقط مال و دولت کی وجہ سے ہوتی ہے، مال و منال کی وجہ سے ہوتی ہے۔

......اور کبھی یہ محبت حسن و جمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔

......کبھی یہ محبت فضل و کمال کی وجہ سے ہوتی ہے، کسی کی صفات کی وجہ سے، اچھی پرسنیلٹی کی وجہ سے، اچھے اخلاق کی وجہ سے۔

......اور کبھی اپنے نفس کی وجہ سے۔

......کبھی علاقے کی وجہ سے۔

مگر محبت کی ایک نسبت یہ ہے کہ ایمان والوں سے اس لیے محبت ہو کہ یہ میرے اللہ کے بندے ہیں، یہ کلمہ پڑھنے والا ہے۔اس کو کہتے ہیں اللہ کے لیے محبت۔اس میں کوئی دنیاوی غرض وغایت نہ ہو، مقصود فقط اللہ کی رضا ہو۔

اللہ کے لیے محبت کا درجہ اور فضیلت:

اس نسبت سے جو محبت ہو اللہ کے ہاں اس کا بڑا درجہ ہے۔یہاں تک کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا: قیامت کے دن سخت دھوپ ہوگی، مشکل وقت ہوگا، لوگ پسینے میں ڈوبے ہونگے ،ان میں سے چند لوگ ایسے ہوں گے جو اللہ رب العزت کے عرش کے سائے میں ہوں گے۔وہ سات بندے اس دن جو عرش کے سائے میں ہوں گے، ان میں سے دو وہ ہوں گے:

((هُمْ مُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ)) (جامع الحدیث:رقم:۱۹۲۶۴)

”جو اللہ کی رضا کی کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوں گے۔“

ان کی محبت کی بنیاد دین ہوگی۔دین کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت رکھنا، یہ ایسا عمل ہے کہ اسی پر قیامت کے دن مغفرت ہو جائے گی۔آپ سوچیے اللہ کے ہاں اس کا کیا مقام ہے؟ کہ ((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ)) ”جس نے اللہ کے لیے محبت کی۔“

چنانچہ ایسے لوگ جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہوں، جب وہ ایک جگہ مل بیٹھ کر اللہ کو یاد رکھتے ہیں، اللہ کی باتیں کرتے ہیں، تذکرے کرتے ہیں تو حدیث پاک میں ہے کہ لوگ، ((مِنْ بِلَادٍ شَتّٰی وَ قَبَائِلٍ شَتّٰی)) مختلف شہروں سے مختلف قبیلوں سے، ایک جگہ پر اس لیے جمع ہوں کہ اللہ کی محبت اس کی بنیاد ہے۔تو اس مجمع کے Dispers (منتشر) ہونے سے پہلے، اللہ ان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔تو سوچیے کہ اللہ کے ہاں یہ کتنا عظیم عمل ہے کہ اللہ کی نسبت سے ہم محبت کریں۔

اللہ کے لیے محبت کی پہچان:

ہمارے مشائخ نے اس مظمون کو کچھ مزید Explain (واضح) کردیا ہے کہ اللہ کی محبت اگر ہو تو اس کی پہچان کیا ہے؟ اس کی نشانیاں، اس کی علامات کیا ہیں۔ ایسے تو نہیں کہ ایک بندہ کہہ دے کہ میری محبت تو اللہ کے لیے ہے۔ نہیں، اس کی نشانیاں بتائی گئیں۔

بھائی کو فوقیت دینا:

فرمایا کہ جب تمہیں اللہ کے لیے کسی سے محبت ہو تو اپنے بھائی کو اپنے اوپر فوقیت دو۔ یہ پہلی دلیل ہے محبت کی کہ انسان دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے اور اپنی ضروریات میں صبر کرلیتا ہے، اپنے بھائی کی ضروریات میں کوشش کرتا ہے۔

بھائی کی ضرورت کو پورا کرنا:

دوسری علامت کہ اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو اس کی حاجت کو اللہ کے لیے پورا کرنا۔

بھائی کو کلمہ خیر کہتے رہنا:

اور تیسری بات کہ خیر کے کلمات کہتے رہنا۔ اچھا دوست وہی ہوتا ہے جو نصیحت کی بات کرتا رہے، نیکی کی بات کرتا رہے۔ موقعہ محل کی مناسبت سے بات سمجھاتا رہے۔ یہ نہیں ہے کہ جو ہر اچھے برے کام میں آپ کا ساتھی بن جائے۔ نہیں، آپ اچھا کام کر رہے ہیں تو وہ آپ کو Appericiate (تحسین) کرتا رہے اور اگر غلطی کر رہے ہیں تو وہ اچھے انداز سے اصلاح کرے۔

دیکھیے ایک ہوتا ہے Criticize (تنقید) کرنا، یہ ایک مختلف چیز ہے۔ اور ایک اصلاح کرنا ہے یہ مطلوب چیز ہے۔ تو ہمیں فقط تنقید نہیں کرنی، اصلاح کرنی ہے۔ جس نے اصلاح کرنی ہوتی ہے، اس کے اندر ایک درد ہوتا ہے، ایک محبت ایک اپنائیت ہوتی ہے، وہ اچھے انداز سے بات کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جوان العمر بیٹا ہے، فجر کی نماز کا وقت ہے اور وہ سویا پڑا ہے۔ اب جوانی میں نیند غالب ہوتی ہے۔ تو ایک تو یہ ہے کہ باپ آئے اور بڑی محبت کے انداز میں کہے، اے میرے بیٹے! پیارے بچے! اٹھو اللہ کو یاد کرو! اس طرح سے اس کو نماز کے لیے جگائے، اس کو اصلاح کہیں گے کہ اب والد کے لہجے کے اندر محبت ہے، اپنائیت ہے اور ایک درد ہے۔ اور وہ ایسے الفاظ کا چناؤ کر رہا ہے کہ بچہ سویا ہوا بھی جاگ جائے۔

اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اٹھو! نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ مردار سویا پڑا ہے، شرم نہیں آتی۔ اس نے بھی جگایا اور پہلے والے نے بھی جگایا مگر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلے والے نے اصلاح کی اور دوسرے والے نے فقط Criticist (تنقید) کیا۔ اب جس نے تنقید کی اس نے بچے کے دل میں محبت نہیں بڑھائی۔ بلکہ اس نے بچے کے دل میں اپنا مقام گھٹا دیا۔

تو دوست کے ساتھ کلماتِ خیر کہتے رہنا یہ اس کی دوستی کا تقاضا ہوتا ہے۔

اظہارِ محبت کرنا:

پھر فرمایا کہ اس کے ساتھ اظہار محبت بھی کرو۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ آدمی کو کسی سے اللہ کے لیے محبت ہو تو اس کو بتائے کہ بھائی!

((اِنِّیْ اُحِبُّکَ فِیْ اللّٰہِ)) (کنز العمال، رقم: ۲۴۸۰۵)

''مجھے اللہ کے لیے آپ سے محبت ہے۔''

اور حدیث پاک میں یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ اگر کوئی کہے: اِنِّیْ اُحِبُّکَ فِیْ اللّٰہِ تو اس کے جواب میں کہنا چاہیے:

((اَحَبَّکَ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَہٗ)) (مسند ابی یعلی، رقم: ۳۴۴۲)

کہ تجھ سے وہ ذات محبت کرے جس کی وجہ تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔

یہ کتنی خوبصورت باتیں ہیں جو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ہمیں سمجھائیں۔

خطا کو معاف کرنا:

پھر فرمایا کہ اپنے بھائی کی خطا کو معاف کرنا۔ انسان جب ایک دوسرے Interact (معاملات) کرتے ہیں تو Mistake (غلطی) بھی کر جاتے ہیں۔ Humenbeing (انسان) ہیں، خطا ہو جاتی ہے، بھول ہو جاتی ہے۔ کسی نے ایک اچھی بات کہی:

Allah gives and forgives

Man gets and forgets

''اللہ دیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ بندہ لیتا ہے اور بھول جاتا ہے''

تو ممکن ہے کہ دونوں کا محبت کا تعلق ہو مگر ایک اس میں سستی کر جائے، غلطی کر جائے، اگر اس سے خطا ہو جائے تو اس کی خطا کو اللہ کے لیے معاف کر دے۔ ورنہ بعض لوگ ہوتے ہیں، وہ بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں، پر کا پرندہ۔ بس انہیں تھوڑا سا ایشو ملنا چاہیے، بھائی اگر نیت کھوٹی ہو تو لڑنے جھگڑنے میں کون سی دیر لگتی ہے۔

دو عورتیں پڑوسن تھیں، دونوں کے گھروں کے درمیان میں چھوٹی سی دیوار تھی۔ تو ان میں سے ایک کام کاج کر کے فارغ ہوتی تھی تو اس دیوار پر کھڑی ہو کر کہتی کہ آ پڑوسن لڑیں، تو وہ کہتی کہ لڑے میری جوتی۔ وہ کہتی: جوتی لگے تیرے سر پر۔ بس

یہیں سے ابتدا ہو جاتی۔

تو لڑنا کون سا مشکل ہوتا ہے، جانور بڑے آرام سے لڑ لیتے ہیں۔ جس میں بھی جانوروں والی عادتیں ہوں گی وہ بڑے آرام سے جھگڑا کر لے گا۔ ہاں نہ جھگڑنا، اپنے آپ کو ہولڈ کر لینا، Patience ہونا، صبر کرنا، یہ انسانیت ہے تو اپنے بھائی کی خطا کو معاف کر دینا۔

تکلف نہ کرنا:

پھر ایک علامت یہ ہے کہ تکلف نہ کرنا، جب محبت ہو تو تکلفات اچھے نہیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا اَنَا بِمُتَکَلِّفِیْنَ)) (شرح سنن ابن ماجہ: رقم ۲۴۴)

''اللہ کے بندو! تکلف نہ کرو''

لہٰذا اپنے بھائیوں سے بے تکلفی ہونی چاہیے۔

دعائے خیر کرتے رہنا:

پھر اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرنا یہ بھی حق ہے دوستی کا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دوست کی دعا دوست کی پیٹھ پیچھے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ علما نے لکھا ہے کہ اس حدیث پاک میں نیک اور بد کا کہیں تذکرہ نہیں کہ نیک دوست دعا کرے گا تو قبول کریں گے، فقط دوست کا تذکرہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نیک بخت ہونا اپنی جگہ، کیونکہ محبت مین خلوص ہوتا ہے، اس خلوص کی وجہ سے اگر دوست کپیٹھ پیچھے دعا کریں گے، اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمالیں گے۔ تو ہم ایک دوسرے کو دعاؤں میں بھی یاد رکھیں۔

زیادہ توقعات نہ باندھنا:

اور ایک بات کہ اس کے ساتھ زیادہ امیدیں نہ باندھیں۔ بعض لوگ ذرا قریب ہوتے ہیں تو Overexpectations (زیادہ توقعات) رکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ جہاں توقعات زیادہ ہوں گی، وہاں پھر مایوسیاں بھی ہوں گی۔

پسماندگان سے حسنِ سلوک کرنا:

اور آخری بات یہ کہ اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے پسماندگان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرنا۔ چنانچہ ہمارے اکابر کی زندگیوں میں یہ بات لکھی ہے کہ انہوں نے اللہ رب العزت کی رضا سے جن سے محبت کی، ان کے فوت ہو جانے کے بعد چالیس سال تک ان کے پسماندگان کے ساتھ حسنِ معاملہ رکھا۔

اس کو کہتے ہیں مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ جو اللہ کے لیے محبت کرے۔ تو ہمارا تعلق اللہ کے لیے ہو، محبتوں کی بنیاد اللہ کی ذات ہوگی۔ جس نے یہ پہلا قدم اٹھا لیا اس نے یوں سمجھیں کہ ان چار میں سے ایک چیز کو حاصل کر لیا۔

﴿۲﴾ اللہ کے لیے بغض رکھنا

اور دوسری بات کہ

﴿وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ﴾

”اللہ کے لیے بغض رکھے“

کسی سے ناراض ہو یا بغض رکھے تو بھی اللہ کے لیے۔ اب یہ بات بہت نازک ہے، مشکل سے سمجھنے والی ہے۔ پوائنٹ یہ ہے کہ جو اللہ کا بندہ ہے۔ اس کے ساتھ اللہ کی محبت کی وجہ سے، تعلق کی وجہ سے، ایک انسانیت کا تعلق تو ہونا ہی چاہیے۔ مثلاً کافر

بھی ہے تو اگر بات کرنی پڑے تو انسان اچھے انداز سے کرے، کھلے چہرے سے بات کرے۔ الفاظ کا چناؤ ایسا ہو کہ دل میں محبت بڑھے، تبھی تو وہ قریب ہوگا۔ تبھی تو وہ اسلام قبول کرے گا اور اگر تیوریاں چڑھا کر ملیں گے تو وہ دور بھاگے گا۔ آج تو چھوٹے بچے کو ناراض ہو کر دیکھو وہ رونا شروع کر دیتا ہے، اتنے چھوٹے سے بچے کے اندر بھی Feelings (محسوسات) ہوتے ہیں۔ کہ یہ دیکھنے والا مجھے ٹھیک طرح سے نہیں دیکھ رہا تو میچور انسان تو میچور ہوتا ہے۔

انسانیت کی تکریم ضروری ہے:

شریعت نے یہ کہا کہ دیکھو! اچھے انداز سے گفتگو کرنا اور کھلے چہرے سے ملنا یہ ہر انسان کا حق ہے، مسلمان ہو یا کافر۔ سنیے! قرآن عظیم الشان، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرۃ:۸۳)

''انسانوں کے ساتھ اچھے انداز سے گفتگو کرو''

اب انسان تو کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ پھر دوسری بات فرمائی کہ اگر تم انسانوں سے گفتگو کرو۔

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ (لقمان:۱۸)

''کہ لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے تم اپنے چہرے کو مت پھلاؤ''

تیوریاں چڑھا کر غصے میں بات کرنے سے منع کیا۔ یہ قرآن کی آیتیں ہیں۔

تو یہ دو بنیادی چیزیں ہیں تو ہر انسان کے لیے مسلمان ہو یا کافر ہو، انسان ہونے کے ناطے۔ اس کو کہتے ہیں Respect of Humanity (انسانیت کی تکریم)

محبت کا تعلق صرف مومن سے ہو:

ہاں اگر وہ انسان مومن ہے تو اب اس کے ساتھ محبت کا تعلق ہے۔ چنانچہ شریعت نے کہا کہ کافر کے ساتھ آپ کاروبار کر سکتے ہیں، لین دین کر سکتے ہیں، محبت کا تعلق مت رکھیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی بزنس کرتا ہے تو اس کے پانچ سو کسٹمر ہیں، مگر پانچ سو کسٹمر سے اسے محبت تو نہیں ہوتی۔ محبت تو چار پانچ سے ہوتی ہے۔ محبت جہاں ہوتی ہے، وہاں انسان دل کی باتوں کو شیئر کرتا ہے اور اس کی باتوں کو قبول کرتا ہے۔ شریعت نے کہا کہ Close Circle (قرب کے دائرے) میں فقط تم ایمان والوں کو رکھو۔ کافر کو قریبی دائرے میں رکھو گے تو تم بھی کافر بن جاؤ گے۔

چار قسم کے لوگوں کی دوستی سے بچیں:

اس لیے قرآن مجید میں کہا کہ چند لوگوں سے تم ذرا احتیاط برتو۔ کونسے لوگ ہیں؟

(۱) کافر:

فرمایا:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾

(ال عمران: ۲۸)

''نہ بنائیں مومن کافروں کو دوست سوائے مومنین کے''

قرآن مجید کی آیت ہے، رولنگ ہے یہ کہ ایمان والوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کے ساتھ دوستی کریں۔ تو محبت کا تعلق ہم ان سے نہیں

رکھ سکتے، محبت ہوگی تو ان کے طور طریقے اپنائیں گے اور اپنے طریقوں کو چھوڑیں گے۔تو شریعت نے اس کے اوپر ایک بین لگا دیا کہ تمہارے Interaction (تعلقات کار) کی limitation (حد) ہے۔تم ان کے ساتھ کام کرو، کاروبار کرو، تمہیں جو ان کی ضرورت ہے، ضرور پوری کرو مگر محبت کا تعلق فقط اللہ کے ماننے والوں سے ہونا چاہیے۔ یہ تمہارے اللہ کے دشمن، یہ تمہارے پیارے رسول اللہ کے دشمن، یہ تمہارے دوست کہاں سے ہو سکتے ہیں؟ آج تو بیٹا اپنے باپ کے مخالف کے ساتھ تھوڑی دیر کھڑا ہو کر بات کرلے تو باپ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو بھی اچھا نہیں لگتا کہ بندے میرے ہوں اور جو میرے دشمن ہیں ان سے محبتیں کرتے پھریں۔فرمایا: محبت نہیں کرنی۔

اب اَبْغَضَ لِلّٰهِ کی باؤنڈری میں سب سے پہلے کافر ہیں کہ ہم ان سے تھوڑا الگ ہو کر رہیں۔تو کس لیے الگ ہو رہے ہیں؟ اللہ کے لیے ہو رہے ہیں۔

(۲) ظالم

......پھر دوسرا ظالم کہ ظالم کوئی بھی شخص ہو ہمیں اس کے ظلم میں اس کا ساتھ نہیں دینا۔حدیث پاک میں ہے کہ جو بندہ ظالم کے ساتھ چلا اور اس کو پتہ ہے کہ یہ ظالم ہے، قیامت کے دن وہ اس حال میں اٹھے گا کہ ایمان سے خالی ہوگا۔تو ظالم کا ساتھ نہیں دینا مظلوم کا ساتھ دینا ہے۔اب ہم ظالم کے ساتھ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں، ہٹنے کی وجہ کیا ہے؟ اللہ کے لیے۔

(۳) فاسق:

تیسرا فرمایا کہ فاسق و فاجر بندہ۔تو اس کے ساتھ بھی محبت کا تعلق مت رکھو! اس

لیے کہ جو فاسق اور فاجر ہے وہ تمہارا وفادار کہاں ہوگا؟ اور ہم تو روزانہ دن میں ایک مرتبہ اللہ کے سامنے وعدہ کرتے ہیں۔ہم میں سے ہر بندہ جو عشا کی نماز پڑھتا ہے وہ وتر میں کیا کہتا ہے؟

وَ نَخْلَعُ وَ نَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ

''اے اللہ! ہم نے خلع حاصل کر لی (الگ ہو گئے) ہم ترک کر دیا ہر اس بندے کے تعلق کو جو فاجر ہے''

تو روزانہ ہاتھ باندھ کے اللہ کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ ہم بروں سے دوستی نہیں لگائیں گے۔ہم اچھوں سے دوستی لگائیں گے۔

(۴) بدعتی:

اور چوتھا شخص جس سے الگ رہنے کا حکم ہے وہ ہے بدعتی۔ کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے: جس شخص نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔تو ہمیں بدعتی سے بھی محبت کا تعلق نہیں رکھنا۔

برائی سے نفرت ہو برے سے نہیں:

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دل میں نفرت ہو، دل میں نفرت نہیں ہونی چاہیے۔ جو لوگ کچا پیاز کھاتے ہیں تو منہ کے اندر ایک بری سی مہک آجاتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کچا پیاز اس لیے نہیں کھاتا:

((اِنِّیْ اَکْرَهُ رِیْحَهَا)) (مسلم، رقم:۱۲۸۴)

''میں اس کی بدبو کو ناپسند کرتا ہوں''

تو یہاں سے محدثین نے نکتہ نکالا، یہ نہیں فرمایا کہ میں پیاز کو ناپسند کرتا ہوں،

فرمایا میں اس کی بد بو کو ناپسند کرتا ہوں، اس کا مطلب یہ کہ برے سے نفرت نہیں، اس کی برائی سے نفرت ہونی چاہیے۔ کسی وقت بھی وہ برائی کو چھوڑ سکتا ہے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے تعلق رکھتے تھے۔

اللہ کے لیے محبت اور بغض کی مثال:

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں نعت اور اس قسم کے اشعار سنا کرتے تھے، اس کو محفلِ سماع کہا جاتا تھا۔ جب اشعار پڑھے جاتے تھے تو کچھ سالکین کے اوپر حال بھی طاری ہو جاتا تھا، اللہ اللہ اللہ۔ اب اگر حال طاری ہوا تو وہ تو معذور ہے، مگر شریعت تو کہتی ہے کہ بھئی تم اس طرح سے بے قابو نہ ہو۔ اس کو روکتی ہے شریعت، ورنہ تو بے قابو ہو کر سارے ناچنے لگ جائیں گے۔ تو شریعت نے اس کے اوپر ایک حد لگا دی کہ تم روکو جتنا تم روک سکتے ہو۔

چنانچہ ان کے زمانے میں ایک محتسبِ اعلیٰ تھے، ان کا نام تھا قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ۔ حکومت نے ان کو متعین کیا تھا کہ تم جہاں کہیں بھی خلافِ شرع بات دیکھو اس کو روک دو۔ خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی جب کہیں محفل ہوتی تو قاضی ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچ جاتے اور محفل کو برخاست کروا دیتے۔ ادب کا خیال رکھتے Misbehave (گستاخی) نہیں کرتے تھے ان کو نرمی سے کہہ دیتے تھے کہ بھئی مجلس برخاست کر دو تو وہ کر دیتے۔ اب وہ جو مریدین تھے، ان کو بڑا غصہ آتا کہ ہمارے حضرت کے کام میں دخل اندازی۔ پیر خود نہیں اڑتے، مرید اڑاتے ہیں، ہمارے حضرت کی محفل کو کیوں ختم کروایا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے۔ کوئی ہم جیسا ہوتا تو کہتا کہ دیکھو ہماری کرامت، دیکھو یہ ہم

سے مخالفت کرتا تھا، اللہ نے اس کو بیمار کر دیا اور ذلیل کر دیا۔ ہم کرامتیں بیان کر رہے ہوتے اور خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو جب پتہ چلا تو انہوں نے سوچا کہ

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ)) (ابن ماجہ، رقم: ۱۴۲۵)

''مومن کے مومن پر پانچ حق ہوتے ہیں''

ایک اس میں عیادۃ المریضِ ہے۔ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنی چاہیے۔ تو خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اب قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ لیٹے ہوئے ہیں اور آخری آخری وقت ہے۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ جو خادم تھا اس نے آ کے دیکھا کہ خواجہ صاحب کھڑے ہیں۔ اس نے جا کر قاضی صاحب سے کہا: آپ سے خواجہ صاحب ملنے کے لیے آئے ہیں تو قاضی صاحب نے کہا کہ دیکھو بھائی! میری ان سے بعض مسائل میں اختلاف رائے ہے۔ تو جس بندے سے بھی تھوڑا اختلاف رائے ہو تو اس سے آخری وقت میں ملوں گا تو طبیعت کے اندر تکدّر آئے گا۔ تو میں اپنی یکسوئی میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا، ان سے جا کر معذرت کر دو کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا۔ میرا آخری وقت ہے بس مجھے رجوع الی اللہ کے ساتھ مرنے دو! اس لڑکے نے جا کر کہہ دیا کہ جی وہ کہہ رہے ہیں میرا یکسوئی کا وقت ہے، میرا آخری وقت ہے، میں اپنی یکسوئی میں خلل نہیں پسند کرتا تو آپ مہربانی فرمائیں، میں نہیں مل سکتا۔

تو خواجہ صاحب نے آگے سے جواب دیا کہ قاضی صاحب سے کہو کہ جن معاملات میں مجھے ان سے اختلاف ہے، میں ان سے توبہ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ جب خواجہ صاحب کا یہ پیغام قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچا۔ کہتے ہیں کہ وہ لیٹے ہوئے تھے سر پر عمامہ باندھا ہوا تھا، اٹھ بیٹھے۔ امامہ کھولا اور شاگرد سے کہا

کہ میری چارپائی سے دروازے تک میرا امامہ بچھا دو اور خواجہ صاحب کو کہو کہ اس پر جوتوں کے ساتھ چلتے ہوئے آئیں۔ تو معلوم ہوا کہ اس اختلاف کی بنیاد فقط اللہ کا دین ہے اور کوئی نفرتیں نہیں ہیں۔ یہ ہمارے اکابر کے طریقے تھے کہ اختلاف رائے کے باوجود دل میں ایک دوسرے کے ساتھ اتنا اخلاص ہوا کرتا تھا۔ آج تو ہم ذرا سی بات پر ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی پیدا کر لیتے ہیں۔

تو فرمایا: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ جو اللہ کے لیے محبت کرے وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ اور اگر دل میں بغض ہو تو وہ بھی کس لیے اللہ کے لیے جس نے یہ دو کام کر لیے یوں سمجھیں کہ اس نے ففٹی پرسنٹ (آدھا) اپنی منزل کو طے کر لیا۔

﴿۳﴾ اللہ کے لیے عطا کرنا

اور تیسری بات فرمائی کہ

((وَ اَعْطٰا لِلّٰهِ))

''کہ اگر کسی کو دے تو بھی اللہ کے لیے دیے۔''

چنانچہ ہم مال کو خرچ کریں تو اللہ کے لیے خرچ کریں۔ اگر اس خرچ کرنے میں دنیا کا نام مطلوب ہوگا تو اس کو اللہ کے ہاں قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم خرچ کریں اور دوسرے پر احسان جتلائیں تو ہم نے اپنے صدقے کو ضائع کر لیا۔

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ (البقرۃ:۲۶۴)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر ضائع مت کرو''

تو اعطا للہ، دیں تو بھی اللہ کے لیے دیں۔ چنانچہ ایک دو واقعات سن لیں تا کہ بات اچھی طرح سے واضح ہو جائے۔

خلوصِ عمل ہو تو ایسا؟

ایک دفعہ رفاعِ عامہ کے لیے کوئی کام کرنا تھا تو جو حاکمِ وقت تھا اس نے ایک عالم کو کہا کہ بھئی! آپ ذرا مسجد میں لوگوں کو متوجہ کریں کہ مخیّر حضرات اس میں حصہ ڈالیں اور ہم اس کام کو، اس پروجیکٹ کو کرلیں۔ چنانچہ وہ عالم جو تھے انہوں نے بیان کیا اور لوگوں کو ترغیب دی۔ ابوعمر نجیر انہوں نے اس کو کہا کہ بھئی! میں تمہیں دو لاکھ درہم اس مقصد کے لیے دیتا ہوں۔ وہ بڑے خوش ہوگئے۔

اگلی نماز کے وقت میں وہ پھر لوگوں کو ترغیب دینے کھڑے ہوئے تو انہوں نے بات کرتے کرتے ان کا تذکرہ کر دیا، دیکھو لوگو! اس میں خرچ کرو! دیکھو! ابوعمر نجیر نے بھی اس کے لیے دو لاکھ درہم دیے ہیں۔ جب انہوں نے یہ کہا تو ابوعمر نجیر کھڑے ہوگئے اور کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ جی وہ میں نے آپ کو دے تو دیے لیکن میں نے اپنی والدہ سے مشورہ نہیں کیا تھا، تو میرے ذہن میں آ رہا ہے کہ مجھے ان سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے تھا، تو آپ مہربانی کر کے مجھے واپس کر دیں۔ اب یہ عجیب بات کہ ایک وقت میں تو اتنا بڑا قدم اٹھایا اور اب مجمع کے سامنے کہہ رہے ہیں کہ وہ مجھے واپس کردو تو لوگوں کے دل میں بجائے محبت بڑھنے کے الٹا عجیب سی بات پیدا ہوئی۔ اور عالم صاحب بھی مجمع کے سامنے نہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دو لاکھ جو لیے تھے وہ بھی واپس کر دیے۔

اب جب پورا مجمع چلا گیا تو ابوعمر نجیر دوبارہ اس کے پاس گئے، انہوں کہا کہ دیکھو میرے بھائی! تم نے لوگوں کو ترغیب کے لیے یہ بات بتائی لیکن میرے عمل کو تو تم نے ضائع کرنا تھا۔ اس لیے میں نے لوگوں کے سامنے واپس لے لیا تا کہ لوگ

اس کو پسند نہ کریں۔ اب وہ چلے گئے، میں اللہ کے لیے دو لاکھ درہم پھر دے رہا ہوں۔ تو اتنا اہتمام کرتے تھے کہ ہماری ان باتوں کا کسی کو پتہ ہی نہ چلے۔ ہمیں اجر فقط اللہ سے چاہیے۔

عمل کی پے منٹ دنیا میں:

یہ جو لوگ تعریف کرتے ہیں نا یہ بھی اس عمل کی پیمنٹ ہوتی ہے۔ اس کا اجر ملتا ہے یا شہرت مل جانا، یا فائدے کی نیت کرنا یہ سب اجر ہے۔ جب کسی نے تعریف کر لی تو اب اللہ کے ہاں اس کا کوئی اجر نہیں۔ دنیا میں **Payoff** (ادا) ہو گیا۔

ایک مرتبہ ہم کہیں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک نوجوان انجینئر بڑا ہی پریشان تھا۔ کہہ رہا تھا کہ میرے گھر میں یہ پریشانی آگئی، مجھے پیسوں کی ضرورت ہے اور میرے پاس پیسے ہیں نہیں۔ اس دوران کمپنی کا چیف اکاؤنٹنٹ جو تھا وہ وہاں سے گزرا۔ اس کو کہتا ہے یار! میں نے آپ کا کوئی واؤچر دیکھا ہے کوئی پانچ ہزار کا، ذرا میرے پاس آنا۔ ہم نے دیکھا اس انجینئر کے چہرے پر چمک آگئی، چہرہ کھل گیا کہ بھئی میرا پانچ ہزار بنتا ہے تو مل جائے گا، میری ضرورت پوری ہو جائے گی۔ تو وہ اسی وقت اکاؤنٹ برانچ میں چلا گیا۔ اور پندرہ بیس منٹ کے بعد واپس آیا تو آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہم نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ جی واؤچر تو تھا، جب اس کو نکالا تو اس پر **Paid off** (ادا کر دیا) کی **Stamp** (مہر) لگی ہوئی تھی۔ اُس دن دل میں خیال آیا کہ جو بندہ لوگوں سے تعریفوں کی توقع کرتا ہے وہ جتنا بڑا عمل کیوں نہ کر لے جب لوگوں نے تعریف کر دی اللہ اس پر پیڈ آف کی مہر لگوا دیتے ہیں۔ قیامت کے دن تجھے کچھ نہیں ملے گا۔

اس لیے عالم آئے گا، شہید آئے گا، اللہ فرمائیں گے، تو چاہتا تھا، تجھے بڑا عالم کہیں فَقَدْ قِیْلَ تجھے کہا جا چکا، ہمارے پاس اب کچھ نہیں ہے۔ اب دیکھیے ! اتنا بڑا عمل انسان اس لیے تو نہیں کرتا کہ انسان آگے سے تھوڑی سی تعریف کر دے۔ کسی نے اچھا کہہ دیا کسی نے نیک کہہ دیا تو یہ ہمارے عمل کا اجر تو نہیں ہے۔ اسی لیے بے طمع ہو کر عمل کریں کہ لوگوں سے طمع ہی نہ ہو کہ وہ ہمارے اعمال پر ہماری تعریفیں کریں گے۔

مخلص کون ہوتا ہے؟

چنانچہ فقیر ابو الیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت اخلاص کے بارے میں بڑا پڑھتے ہیں مثال دے کے سمجھائیں مخلص کون ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بھئی ! تم نے کبھی بکریاں چرائی ہیں؟ اس نے کہا: جی بھئی بکریاں چراتے ہوئے کبھی نماز کا وقت آیا؟ جی، تو پھر کیسے پڑھتے ہو؟ اس نے کہا کہ مصلیٰ بچھا کے پڑھتا ہوں، اردگرد بکریاں چر رہی ہوتی ہیں۔ اچھا جب تم نماز پڑھ لیتے ہو تو کیا تمہارے دل میں یہ طمع ہوتی ہے کہ بکریاں میری تعریف کریں گی۔ اس نے کہا کہ طمع تو کوئی نہیں بکریوں سے تو کوئی توقع ہی نہیں ہوتی، فرمانے لگے کہ جس طرح چرواہا بکریوں کے درمیان بیٹھ کر عبادت کرتا ہے اور اسے بکریوں سے تعریف کی کوئی توقع نہیں ہوتی مخلص بندہ لوگوں کے مجمع میں بیٹھ کر عبادت کرتا ہے اور اسے کوئی توقع نہیں ہوتی کہ لوگ میری عبادت کریں۔ یہ ہے اللہ کے لیے کرنا۔

وہ میرا نام جانتا ہے:

سعد بن ابی وقاص رحمۃ اللہ علیہ نے جب مدائین کو فتح کیا تو انہوں نے

Announcement (اعلان) کروایا کہ جس مجاہد کے پاس جو مالِ غنیمت ہے وہ سب لا کر ایک جگہ جمع کروائے تا کہ ہم اسے تقسیم کریں۔ لوگ مالِ غنیمت جمع کروانے لگ گئے۔ تین دن گزر گئے، محسوس یہ ہوا کہ اب اور کسی کے پاس کچھ نہیں۔ تو سعد بن ابی وقاص رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے ہیں ایک نوجوان آیا، جس کے کپڑے بڑے معمولی سے محسوس ہوتے تھے۔ مالی اعتبار سے اتنا امیر آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ معمولی کپڑے، پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے ایک کپڑے میں کچھ لپیٹا ہوا تھا، وہ لے کر آیا اور کہنے لگا کہ امیرِ قافلہ یہ میں آپ کو دینے کے لیے آیا ہوں۔ جب انہوں نے اسے کھولا تو اس کے اندر دشمن بادشاہ کا تاج تھا گویا اس مجاہد نے اس بادشاہ کو قتل کیا اور اس کا تاج اس کے ہاتھ میں آ گیا مگر لوگوں کو اس کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اگر یہ مجاہد چاہتا تو اس کو اپنے پاس رکھ لیتا اور ساری زندگی اس کے ہیرے اور موتی کاٹ کاٹ کر بیچ کر اپنی زندگی ٹھاٹ کی گزارتا، کیونکہ بادشاہوں کے تاجوں میں تو بڑے بڑے ڈائمنڈ ہوتے تھے۔ جب اس سادہ سے سپاہی نے وہ دیا تو سعد بن ابی وقاص رحمۃ اللہ علیہ بڑے حیران ہوئے کہ کسی کو پتہ ہی نہیں اور اتنی قیمتی چیز اس نے لا کر خود ہی دے دی۔ سعد بن ابی وقاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ اے مجاہد! تیرا نام کیا ہے؟ جب اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے تو اس نوجوان نے واپسی کے لیے اپنا رخ پھیرا اور دو قدم واپسی کی طرف اٹھا کر کہنے لگا: جس اللہ کی رضا کے لیے یہ تاج لا کر آپ کو واپس دیا وہ میرا بھی نام جانتا ہے، میرے باپ کا نام بھی جانتا ہے۔ یہ ہوتا ہے اللہ کے لیے کرنا۔

④ اللہ کے لیے روکنا

اور چوتھی بات

((وَ مَنَعَ لِلّٰهِ))

''اور اگر نہ دیا اور منع کیا تو وہ بھی اللہ کے لیے''

اب اللہ کے لیے منع کرنا کیا مطلب؟ والد ہے، پیسے دیے ہیں، سہولت ہے، سٹیٹس ہے، سب کچھ ہے، اب بیوی بچے کہتے ہیں کہ جی گھر میں ٹی وی ہو، ہم ڈرامے فلمیں دیکھیں۔ وہ کہتا ہے نہیں، بچو! ڈرامے اور فلمیں دیکھنے کے لیے میں ٹی وی نہیں لے کر دے سکتا۔ اب اس کے پاس گنجائش ہے، وسائل ہیں مگر ناں کر رہا ہے تو اس نہ کرنے کا منشا کیا ہو؟ اللہ کی رضا کہ ایک چیز جو نقصان دہ ہے میں آپ کو نہیں لے کر دیتا۔ بیٹا چاہتا ہے کہ اس کے پاس سیڈیز کا انبار لگا ہو، والد کہتا ہے کہ نہیں، بیٹا! تیرے پاس جو سی ڈی آئے گی، پہلے میں دیکھوں گا Approve، (منظور) کروں گا تو تم لاؤ گے ورنہ نہیں۔ اب باپ نے منع کیا تو کس کے لیے؟ اللہ کے لیے۔ اور ایسا کرنا عبادت ہے۔

اکابر کی مثالیں:

چنانچہ ہمارے اکابر اگر منع کرتے تھے کسی بات پر تو اللہ کی رضا کے لیے منع کرتے تھے۔

⊙..... سیدنا عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہے۔ مالِ غنیمت کے اندر بہت سا عطر آیا، تو آپ کی اہلیہ صاحبہ کہنے لگیں کہ امیر المومنین! اس کو میں تقسیم کر دیتی ہوں۔ فرمایا! آپ تقسیم نہیں کرو گی کوئی اور عورت کرے گی۔ اس نے کہا: اس میں کیا رکاوٹ ہے؟ کیا

حرج ہے لوگوں میں تقسیم ہی کرنا ہے نا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں! وہ جو تقسیم کرتے ہوئے تمہیں خوش بو آئے گی۔ وہ بھی تو فائدہ اٹھانے والی بات ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مالِ غنیمت میں میری بیوی اتنا بھی فائدہ نہ اٹھائے۔ آپ بتایئے کہ عوام الناس کے مال میں اتنی احتیاط! یہ واقعی ان حضرات کا حصہ ہے۔ تو منع کیا تو کس لیے کیا؟ اللہ کے لیے کیا۔

⊙......رات کا وقت ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چراغ جلا کر کوئی لسٹ بنا رہے ہیں۔ یعنی امورِ مملکت کا کوئی کام تھا جو وہ لکھ رہے ہیں تھے بیٹھے ہوئے۔ دروازے پر دستک ہوئی، عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولا۔ انہوں دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کو ملے۔ بھائی کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے کہا: میں آپ سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔ پوچھا کہ ویسے ہی ملنے کے لیے آئے ہیں یا کوئی امورِ مملکت کا کوئی کام ہے؟ تو علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں میں تو آپ سے ویسے ہی ملنے کے لیے آیا ہوں۔ جب یہ جواب سنا تو عمر رضی اللہ عنہ نے پھونک مار کر چراغ کو بجھا دیا۔ علی رضی اللہ عنہ بڑے حیران۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ! مہمان کے آنے پر روشنی کیا کرتے ہیں بجھایا تو نہیں کرتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے علی رضی اللہ عنہ! آپ نے سچ کہا، مہمان کے آنے پر روشنی جلاتے ہیں لیکن مجھے اور آپ کو زیب نہیں دیتا، ہم ذاتی باتیں کریں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔ اس لیے میں نے چرغ بجھا دیا کہ بیت المال کا پیسہ ذاتی کام کے لیے نہیں ہے۔ ایک ایک تیلی کا خیال رکھنے والے تھے، آج اگر کوئی آدمی اتنا امین ہو تو وہ تو لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا۔

⊙......چنانچہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جب ان کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ سے سب سے پہلے بات کی، اس کو کہا کہ دیکھو! تیرا والد بھی بادشاہ تھا، تیرا بھائی

بھی بادشاہ تھا، اور انہوں نے تمہیں خزانے سے بڑے ہدیے دیے اور میری نظر میں یہ ہدیے ٹھیک نہیں تھے۔ اب میں انچارج بن گیا ہوں، اب میری ذمہ داری بن گئی ہے، لہٰذا اگر تم نے میرے ساتھ رہنا ہے تو یہ تمام ہیرے موتی بیت المال میں جمع کراؤ اور اگر نہیں جمع کروانے تو میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ دو میں سے ایک بات کو چن لو! فاطمہ نیک عورت تھی۔ اس نے کہا: امیرِ المومنین میں آپ کی خاطر ایسے سینکڑوں ہیرے موتی قربان کر دوں۔ اس نے اپنا وہ سارا مال بیت المال میں جمع کروا دیا اور باقی زندگی غربت کے ساتھ گزاری۔

⊙......ایسی غربت کی زندگی تھی کہ ایک دفعہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہیں، بیٹی کو آواز دی کسی کام کے لیے تو جواب میں بیٹی نے آنے میں دیر کی۔ تو دوسری مرتبہ ذرا انہوں نے غصے میں کہا کہ کہاں ہو تم؟ آ کیوں نہیں رہی؟ اتنے میں بیوی آ گئی، اس نے کہا کہ کوئی کام ہے تو مجھے بتا دیں، کہنے لگے کہ میں بیٹی کو بلا رہا ہوں وہ آ کیوں نہیں رہی؟ اس نے کہا کہ جی کیا کرے؟ اس کے پاس ایک ہی لباس ہے جو اس نے پہنا ہوا ہے کوئی سپئیر تو ہے نہیں، وہ چونکہ پھٹ گیا ہے تو وہ دوسرے کمرے میں اس کو اتار کر سی رہی ہے۔ جب تک سی کر پہنے گی نہیں آپ کے پاس کیسے آئے گی؟ وقت کے امیر المومنین ہیں اپنی اولاد کے لیے اس غربت کو پسند کر رہے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ میں بیت المال کا پیسہ جو عوام الناس کا ہے اپنی اولاد کے لیے نہیں خرچ کر سکتا۔ تو منع کرے تو کس لیے کرے؟ اللہ کے لیے۔

اخلاص والے کام کی پہچان:

اس چیز میں بندے کو بڑا احتیاط ہونا پڑتا ہے کہ میری اس سے جو ایک دوری ہے یہ اللہ کے لیے ہے یا نفس کے لیے ہے، اس کی پہچان کرنا ایک مشکل کام ہے۔ غضب

اللہ اور غضب لنفس میں تفریق کرنے کے لیے نورِ باطن کی ضرورت ہوتی ہے مگر مومن کو پتہ چل جاتا ہے۔ دیکھیں! ایک آدمی آپ کو پانی پلاتا ہے، دوسرا آدمی شربت پلاتا ہے تو منہ میں لیتے ہی پتہ چل جاتا ہے، چاہے اندھیرا ہو اور آپ نہ دیکھ رہے ہوں۔ مومن کو اسی طرح دل کا نور بتا دیتا ہے کہ میرا یہ کام نفس کے لیے تھا یا اللہ کے لیے تھا۔ اس لیے اس نور کو اللہ سے مانگیں، اس کو فرقان کہتے ہیں۔ جو فرق بین الحق و الباطن کرتا ہے اور مومن کو بتا دیتا ہے کہ تمہارا کون سا کام اللہ کے لیے ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اس میں ایک پہچان یہ بتائی کہ جو اخلاص والا کام ہوتا ہے نا۔ اس میں ایک مزہ ہوتا ہے، حلاوت ہوتی ہے اور جو نفس کے لیے کام ہوتا ہے، اس کے اندر حلاوت نہیں ہوتی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس جانے لگے تو جو ساتھ والے لوگ تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ کی سواری بھی اچھی ہونی چاہیے، آپ کے کپڑے بھی اچھے ہونے چاہئیں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے وہ اچھے کپڑے بھی پہن لیے اور اچھی سواری بھی لے لی لیکن چند قدم جب چلے تو رک گئے اور فرمایا کہ مجھے اپنے نفس میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرا یہ کام اللہ کے لیے نہیں دکھاوے کے لیے تھا۔ مجھے وہی کپڑے دو وہی سواری دو۔ چنانچہ انہیں کپڑوں کو پہنا، اسی سواری کو پہنا۔ اللہ کی شان کہ تورات کے اندر وہی نشانیاں تھیں جو کپڑے انہوں نے بعد میں پہنے اور اللہ نے اسے پورا فرما دیا۔ دل نے بتا دیا کہ جو کام کیا ہے یہ اللہ کے لیے نہیں لوگوں کے دکھاوے کے لیے ہے۔

جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق:

چنانچہ ایک بزرگ کو پتہ چلا کہ بادشاہِ وقت جو ہے اس نے شراب کے سو مٹکے منگوائے ہیں، وہ اٹھے انہوں نے ایک ڈنڈا لیا اور سب مٹکوں کو توڑنا شروع کر دیا۔

اب بڑے حیران ہوئے کہ شیر کے منہ میں ہاتھ دے دیا، ظالم جابر بادشاہ کے سامنے اس طرح کی کوئی بات کہنا جہادِ اکبر ہے۔ ایک کو توڑا، دوسرے کو توڑا، ننانوے مٹکے توڑ دیے، آخر پر ایک کو چھوڑ دیا۔ بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے بلوالیا۔ کیوں بھئی! مٹکے کیوں توڑے؟ انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کی نافرمانی ہے میں نے اس لیے مٹکوں کو توڑا۔ اس نے کہا کہ اگر اللہ کے لیے توڑے تھے تو ایک کیوں چھوڑ دیا؟ فرمانے لگے کہ میں اللہ کے لیے مٹکوں کو توڑ رہا تھا جب آخری مٹکا رہ گیا، میرے نفس میں ایک خوشی کی کیفیت ہوئی کہ میں نے کتنا بڑا کام کر دیا! میں سمجھ گیا کہ اس کو میں اب اللہ کے لیے نہیں اپنے نفس کے لیے توڑوں گا، اس لیے میں نے چھوڑ دیا۔ اتنی احتیاط اتنی Judgement کرتے تھے کہ ہمارا کام اللہ کے لیے ہے یا اپنے نفس کے لیے۔

آج جس کے پاس اختیارات ہوتے ہیں بہت سارے لوگ اس کے گرد ہو جاتے ہیں Unduebenefits (ناجائز مفادات) ہوتے ہیں۔ لیکن ایمان والا اس دیکھتا ہے، اللہ کے لیے دیتا ہے اور اللہ کے لیے روکتا ہے۔ اب قلم ہاتھ میں ہے قلم کی طاقت کو اللہ کے لیے استعمال کرنا یہ مومن کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

تکمیلِ ایمان کی خوشخبری:

تو فرمایا:

((من احب لله)) جو اللہ کے لیے محبت کرے۔

((و ابغض لله)) اللہ کے لیے بغض رکھے

((و اعطا لله)) اور دے تو وہ بھی اللہ کے لیے

((و منع لله)) اور اگر انکار کرے تو وہ بھی اللہ کے لیے کرے

((فقد استکمل الایمان)) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے بندے نے اپنے

ایمان کو مکمل کر لیا۔

ہم ان چار باتوں کو حرزِ جاں بنا لیں۔ اچھی طرح اس سبق کو یاد کر لیں اور ان چار چیزوں کو حدیث پاک کے مطابق کر لیں۔ نبی علیہ السلام کی بشارت ہے کہ اس بندے کا ایمان مکمل ہو جائے گا۔ کتنی بڑی خوشخبری ہے، ایمان مکمل ہونے کی۔

اللہ کے لیے دوستی اور دشمنی کی اہمیت:

چنانچہ ایک حدیث مبارکہ سنیے، حدیث پاک میں آیا ہے:

((اِنَّ عَبْدًا یَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِکَثِیْرِ صَلٰوۃٍ وَّ صِیَامٍ وَّ حَجٍّ وَّ صَدَقَةٍ))

قیامت کے دن ایک بندے کو اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس بندے کی نمازیں بہت زیادہ ہوں گی، روزے بھی بہت ہوں گے، حج بھی بہت ہوں گے اور اس نے صدقہ بھی بہت کیا ہوگا، یہ سارے نفلی اعمال اس نے بڑے کیے ہوں گے۔ اس بندے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

((وَ تَشْهَدُ مَلٰٓئِکَةُ بِذٰلِكَ))

اور فرشتے اس کی گواہی دیں گے کہ ہم نے جو اس بندے کے اعمال لکھے ہیں یہ سو فیصد ٹھیک لکھے ہیں۔ اس نے واقعی اتنے عمل کیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو فرمائیں گے:

((اُنْظُرُوْا هَلْ وَ لَّابِیْ وَلِیًّا اَوْ عَادَلِیْ عَدُوًّا))

نامہِ اعمال کو دیکھو! کیا اس نے میرے کسی ولی سے میری وجہ سے محبت کی اور کسی میرے دشمن سے اس نے میری وجہ سے دشمنی کی؟

اتنی نمازیں اتنے روزے اتنے حج سب کے باوجود اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

میرے لیے اس نے کیا کیا؟ تو اللہ کے لیے محبت کرنا یا اللہ کے لیے بغض رکھنا یہ اللہ کے ہاں بہت اہمیت رکھتا ہے اللہ رب العزت ہمیں اس مضمون کی سمجھ عطا فرمائے اور دنیا سے ایمان کامل لے کر آخرت میں جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا﴾ (ابراہیم:۳۵)

امن کے پیامبر

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 23 فروری 2010ء مطابق ۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
مقام: ڈیفنس لاہور
موقع: تقریبِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥
﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (ال عمران:۱۹)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

امن کی متلاشی دنیا:

آج کی (Most Modern Scientific) جدید سائنسی دنیا میں ہر انسان امن کا متلاشی ہے۔ شہروں میں امن کمیٹیاں بنی ہیں، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر سلامتی کونسلیں بنی ہوئی ہیں جو امن کے پلان اور قواعد وضوابط بناتی رہتی ہیں۔ اور جو دنیا میں سب سے زیادہ امن کے لیے Struggle (کوشش) کرتا ہے اس کو عالمی سطح پر امن کا نوبل پرائز ملتا ہے۔

دین اسلام میں امن کی اہمیت:

یہ امن اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، قرآن مجید میں ایک بستی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً﴾ (النحل:۱۱۲)

''اللہ مثال بیان کرتا ہے ایک بستی والوں کی کہ امن بھی تھا اطمینان بھی تھا''

تو یہ اللہ رب العزت کی نعمت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کو بنانے کے بعد دعا مانگی:

﴿ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا ﴾ (ابراہیم:۳۵)

''اے اللہ! اس شہر کو امن والا بنادے''

اللہ تعالیٰ نے قریش کے اوپر جو احسانات فرمائے ان میں فرمایا:

﴿ الَّذِيَ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ آمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴾ (قریش:۴)

تو معلوم ہوتا ہے کہ امن اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے۔ دینِ اسلام فتنہ اور فساد کو ناپسند کرتا ہے، چنانچہ واضح الفاظ میں کہا:

﴿ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾ (البقرۃ:۲۱۷)

''اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند فرماتے''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ﴾

''فتنہ تو بندے کو قتل کرنے سے بھی زیادہ بری چیز ہے''

نبی علیہ السلام نے مؤمن کی جو Definition (تعریف) فرمائی، فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ))

''مومن وہ ہوتا ہے جس سے لوگوں کی مال اور جانیں امن میں ہوں''

قیامِ امن کے دو پہلو:

اب امن کیسے قائم ہو؟ اس کی دو Diamentions (پہلو) ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ With in the State (ملک کے اندر) امن کیسے قائم ہو؟

(۲) دوسرے ممالک اور اقوام کے ساتھ کیسے امن سے رہا جائے۔

﴿۱﴾ ملکی سطح پر امن

امن کی پہلی ڈایامینشن یہ ہے کہ ملک کے اندر ایسے اصول وضوابط ہوں کہ سارے لوگ پرامن ہو کر زندگی گزاریں۔ اس کے لیے دین اسلام نے چند سنہری اصول بتا دیے۔

(۱) چار چیزوں کی ضمانت:

سب سے پہلی بات یہ کہ اسلامی قوانین میں چار بنیادی چیزوں کو تحفظ دیا گیا ہے۔ ہر فرد کی جان، مال، عزت اور عقل محفوظ ہو۔ چار چیزوں کی گارنٹی دی۔ اس لیے کہ جب جان، مال، عزت، عقل محفوظ ہو گی تو نہ جھگڑے ہوں گے نہ فساد۔ اسلام کی تعلیمات پر غور کریں۔

جان کا تحفظ:

شریعت نے کہا کہ جو انسان کسی کو قتل کرتا ہے۔

﴿فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (المائدة:۳۲)

''ایسے جیسے اس نے پورے انسانوں کو قتل کر دیا''

اور جتنا غصہ اس گناہ کے اوپر قرآن مجید میں فرمایا ہے، پورے قرآن میں دوسرا کوئی ایسا موقعہ نظر نہیں آتا کہ اللہ رب العزت نے اتنے غصے کا اظہار فرمایا ہو۔ سنیے ذرا قرآن مجید کی آیت فرمایا:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ﴾

''جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے''

جو Intentialy (ارادے کے ساتھ) کسی بندے کو قتل کرے، اس کا بدلہ جہنم ہے۔ یہیں تک بات ہوتی تو بہت زیادہ تھی کہ جہنمی ہے وہ بندہ، مگر ابھی غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ فرمایا:

﴿ خَالِدًا فِيهَا ﴾

''ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا''

یعنی ایک لمبی مدت اس کو عذاب ہوگا۔ اتنی بات ہوتی تو بھی کافی تھا، مگر آگے فرمایا:

﴿ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ﴾

''اللہ کا اس پر غضب ہوگا''

پھر یہاں بھی بات ختم نہیں فرمائی، فرمایا:

﴿ وَلَعَنَهُ ﴾

''اللہ کی لعنتیں اس کے اوپر ہوں گی''

پھر یہاں بھی بات ختم نہیں فرمائی، فرمایا:

﴿ اَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴾ (النسآء:۹۳)

''اسکے لیے میں نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے''

تو اندازہ لگائیں کہ شریعت نے قتل کو کس قدر ناپسند کیا تا کہ لوگوں کی جانیں محفوظ ہوں۔

مال کا تحفظ:

اسی طرح مال محفوظ ہو، چنانچہ چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی جو سخت سزا دی گئی وہ اسی لیے کہ دوسری مرتبہ کوئی کسی مال کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھا سکے۔ تو دین اسلام

میں انسان کے مال کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔

عزت کا تحفظ:

اسی طرح شریعت نے عزت کا تحفظ کیا۔ چنانچہ حدود کی سزا اسی لیے سخت رکھی گئی۔ کوڑے لگائے گئے، رجم کیا گیا، تاکہ اس گناہ سے بچا جائے۔ تو جان مال اور عزت محفوظ۔

عقل کا تحفظ:

اگر یہ سب چیزیں محفوظ ہوں لیکن عقل محفوظ نہ ہو تو پھر بھی مصیبت ہوتی ہے۔ تو شریعت نے کہا کہ جتنی چیزیں تمہاری عقل کو ماؤف کرتی ہیں، ساری کی ساری نشہ آور چیزیں تمہارے لیے حرام ہیں۔ چنانچہ شراب کو اس لیے حرام قرار دیا کہ بندہ اپنے ہوش میں نہیں رہتا۔ اور جب وہ ہوش میں نہیں تو وہ جانوروں کی طرح ہے۔ تو شریعت نے Make Sure (ضمانت) دی کہ ہر بندے کی جان، مال، عزت، عقل یہ محفوظ ہو۔ جب وہ محفوظ ہوگی تو پرسکون ہوگا، مگر اس کے ساتھ کچھ اور بھی چیزیں ہیں، کون سی؟

(۲) دین کی آزادی:

دوسرا پوائنٹ شریعت نے کہا کہ ہر بندے کو اپنے دین کے بارے میں آزادی ہے، اس میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ فرمایا:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾

”دین میں جبر نہیں ہے“

یہ نہیں کہ زبردستی لوگوں کو مسلمان بناؤ۔ یہ ہر بندے کی اپنی Choice ہے
چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے میرے پیارے حبیب ﷺ

﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾

''آپ ان پر تھانے دار مقرر نہیں ہیں''

تو مذہبی رواداری کہ تم اپنے دین پر عمل کرو۔ دوسروں کو خوش اخلاقی سے دعوت دو لیکن اگر کوئی نہیں آتا تو اسے اپنے دین پر رہنے کی پوری اجازت ہے۔

﴿أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾

''تو تم لوگوں پر زبردستی کرو گے کہ وہ سب مومن بن جائیں''

(۳) مساوات:

اس کے بعد تیسری چیز ہوتی ہے مساوات کہ سب انسان برابر ہیں۔ جہاں اونچ نیچ ہوتی ہے تو وہ پھر ہارٹ برننگ کا سبب بنتی ہے اور فتنہ فساد ہوتا ہے۔ تو شریعت نے کہا کہ دیکھو! سب گورے کالے عربی عجمی ایک ہیں۔

﴿إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''ہم نے تمہیں مرد و عورت سے پیدا کیا اور تم میں خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تمہاری پہچان ہو سکے، بے شک تم میں اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے''

(۴) عصبیت:

اس کے بعد چوتھی چیز عصبیت ہے۔ یہ بھی کبھی کبھی جھگڑے فساد کا ذریعہ بنتی

ہے۔ میں اس علاقے سے ہوں، میں اس قبیلے سے ہوں، میں فلاں ہوں، شریعت نے عصبیت کو اتنا ناپسند کیا کہ حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّۃٍ)) (ابوداود، رقم: ۴۴۵۶)

''جو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے ہی نہیں ہے''

گویا دینِ اسلام سے یہ خارج ہے۔

((وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلٰی عَصَبِیَّۃٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰی عَصَبِیَّۃٍ)) (ابوداود، رقم: ۴۴۵۶)

''وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی وجہ سے قتل کیا اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی وجہ سے مارا گیا''

(۵) گروہ بندی:

اگلی چیز ہے گروہ بندی یہ بھی کبھی انسان کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑے فساد کا سبب بنتی ہے۔ شریعت نے حکم دیا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اپنے اندر اختلاف پیدا نہ کرو''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اگر حبشی بھی امیر بنا دیا جائے تو تم پر لازم ہے کہ تم اس کی اطاعت کرو اور فرمایا کہ تم جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔

﴿مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ﴾ (المستدرک علی الصحیحین، رقم: ۳۹۱)

''جو وہاں سے ہٹے گا وہ سیدھا جہنم میں جائے گا''

(۶) انصاف:

پھر ایک چیز ہوتی ہے انصاف۔ سستا انصاف۔ اگر انصاف ملے تو لوگ مطمئن ہوتے ہیں اور اگر انصاف نہ ملے تو لوگوں کے دلوں کے اندر کدورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ شریعت نے انصاف کو اتنا پروموٹ کیا فرمایا:

﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾

''انصاف اپناؤ وہ تقوی کے زیادہ قریب ہے''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ

''کفر سے تو حکومت چل سکتی ہے مگر ظلم سے حکومت نہیں چل سکتی''

تو ظلم سے شریعت نے منع کیا، سنیے! اس معاملے میں صرف ایک حدیث مبارکہ کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُعِيْنَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ)) (جامع الاحادیث، رقم: ۲۴۰۰۲)

''جو بندہ کسی ظالم کے ساتھ چلا تا کہ اس کو تقویت پہنچائے اور وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے، پس وہ دین اسلام سے خارج ہو گیا''

ظالم کا مددگار دینِ اسلام سے ہی خارج ہو گیا، شریعت نے انصاف کو اتنا پسند فرمایا۔ چنانچہ ان اصولوں کا اگر خیال رکھا جائے تو پورا معاشرہ اس قدر سکون اور محبت کا معاشرہ بن جاتا ہے کہ دنیا ہی میں جنت کے مزے آنے لگتے ہیں۔

{۲} دوسری اقوام کے ساتھ امن

دوسری Diamention (پہلو) یہ ہے کہ ملک کے اندر لوگ مطمئن رہنا چاہتے ہیں مگر باہر سے دوسرے ممالک اور قومیں وہ سکون سے نہیں رہنے دیتیں۔ تو شریعت نے اس کی Guidance (رہنمائی) دی ہے۔

(۱) احترامِ انسانیت:

سب سے پہلی بات شریعت نے یہ کہی کہ دیکھو! تم اپنے اندر احترامِ انسانیت پیدا کرو۔ صرف یہ نہیں کہ مسلمان کا اکرام ہے بلکہ بحیثیت انسان بھی تم دوسرے کا احترام کرو! چنانچہ نبی علیہ السلام کے سامنے سے ایک جنازہ لے جایا گیا کسی نے کہا کہ اللہ کے محبوب ﷺ یہ یہودی ہے، فرمایا:

((أَلَيْسَتْ نَفْسًا؟)) (المعجم الکبیر، رقم:۵۶۰۶)

کیا یہ انسانی جان نہیں ہے؟

تو معلوم ہوا کہ ایک انسان کی جان کا بھی اللہ کے حبیب ﷺ نے اکرام فرمادیا۔

(۲) صلح پسندی:

دوسری چیز ہوتی ہے صلح پسندی، قرآن مجید میں رولنگ دے دی کہ

﴿وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ﴾

''صلح ہمیشہ خیر کا باعث بنتی ہے''

تو مومن صلح پسند ہوتا ہے۔

(۳) درگزر

پھر تیسری چیز بتادی کہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی بھی کرے تو تم درگزر سے کام لو۔ برداشت کرلو

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ:۴۰)

''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کردے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے''

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴾

(۴) مضبوط دفاع:

اور پھر یہ بھی کہا کہ اگر کوئی بالفرض تمہارے اوپر چڑھ دوڑتا ہے تو ایسے معاملے میں تم اس کے اوپر سینہ سپر ہو جاؤ۔ کیوں کہ کوئی تمہیں امن سے نہیں رہنے دیتا، یہ دفاع تمہارا بنیادی حق ہے۔ مگر اگر تم غالب آجاؤ تو تم اشتعال انگیز کام مت کرنا۔ اس جھگڑے میں بھی چند باتوں کا خیال رکھنا کہ بوڑھوں کو، بچوں کو، عورتوں کو، معذور لوگوں کو، تم قتل نہیں کر سکتے۔ جو گوشہ نشین راہب ہوں ان کو قتل نہیں کر سکتے، تم لوگوں کی عبادت گاہوں میں جا کر خون خرابہ نہیں کر سکتے، مقتول کا چہرہ نہیں بگاڑ سکتے، ان کے اعضا کو نہیں کاٹ سکتے، تو معلوم ہوا کہ شریعت دفاع کی حد تک اگرچہ اجازت دیتی ہے پھر بھی کہتی ہے کہ تمہارا معاملہ انسانوں والا ہونا چاہیے، جانوروں اور درندوں والا نہیں ہونا چاہیے۔ اور اس کے لیے شریعت نے ایک پوائنٹ دیا کہ سب

سے آسان طریقہ ہے دوسروں کے دخل اندازی سے بچنے کا۔

﴿اَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال:٦٠)

کہ اپنے آپ کو دفاع کے اعتبار سے اتنا مضبوط کرلو کہ کوئی تمہاری طرف میلی آنکھ دیکھ ہی نہ سکے۔ چنانچہ قرآن مجید کا کیا یہ خوبصورت اصول ہے کہ زیادتی نہ کرو مگر اتنے بھی کمزور نہ بنو کہ لوگ تم پر چڑھ دوڑیں۔ لہٰذا تم اپنے آپ کو مضبوط رکھو۔ چنانچہ اگر ان دونوں چیزوں کا خیال رکھیں تو داخلی طور پر بھی امن رہتا ہے ملک میں اور خارجی طور پر بھی پھر امن ہو جاتا ہے۔

قیام امن اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آئینے میں

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصولوں کے ذریعے جزیرۂ عرب کے اندر امن کیسے قائم کر دیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو زمانہ جاہلیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اس کو اسلام کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ کیسے درندہ صفت لوگ تھے جن لوگوں میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ایک بہت Dificult Assignment (مشکل کام) تھا، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ مگر آپ شروع سے امن پسندی لے کر دنیا میں تشریف لائے۔

حلف الفضول کا معاہدہ:

چنانچہ شادی سے پہلے ایک ''حلف الفضول'' کے نام سے ایک امن معاہدہ ہوا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں خود شرکت فرمائی۔

صبر کی انتہا:

ہاں جب آپ نے نبوت کا اظہار فرمایا تو قریشِ مکہ جو آپ کو صادق اور امین کہتے تھے، امانتیں آپ کے پاس رکھواتے تھے، جو اپنے فیصلوں کے لیے آپ کو حکم بناتے تھے وہی دشمن بن گئے۔ اور انہوں تیرہ سال اللہ کے حبیب ﷺ کو تکالیف پہنچائیں۔ صبر کی انتہا دیکھیے کہ تیرہ سال کوئی Reaction (ردِعمل) نہیں دکھایا۔ اگر چاہتے تو ری ایکشن دکھا سکتے تھے۔ تیرہ سالہ مکی زندگی میں اللہ کے حبیب ﷺ نے فقط تکالیف کو برداشت کیا، One Way (یک طرفہ) طور پر ہر تکلیف کو برداشت کیا اور فقط صبر کر کے دکھایا۔ اس میں سبق تھا ہمارے لیے کہ دیکھو! تمہارے لیے بھی کبھی ناگوار حالات آسکتے ہیں اور تمہیں بھی اسی طرح اگر صبر کرنا پڑے تو اس صبر میں اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی۔ حتیٰ کہ اللہ کے حبیب ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مشرکینِ مکہ کے دلوں کا غیض وغضب ٹھنڈا ہو جاتا کہ ایک بندہ شہر ہی چھوڑ کر چلا گیا چار سو میل دور جا کر اس نے اپنے ٹھکانے بنا لیے۔ چلو بھئی! اس کی اپنی زندگی ہماری اپنی زندگی، مگر نہیں ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔

مدینہ طیبہ میں معاہداتِ امن:

اللہ کے حبیب ﷺ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں آپ کو اختیار ملا کہ آپ کیا پالیسی بناتے ہیں۔ تو اللہ کے حبیب ﷺ نے چند Step (اقدامات) لیے۔ ذرا توجہ فرمایئے گا! کہ اس مجلس میں بہت لکھے پڑھے لوگ ہوں گے، بزنس مین ہوں گے، Experience Personality (تجربہ کار شخصیات) ہونگی، پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہوں گے، ذرا طالب علم بن کر سوچیے گا کہ اللہ کے حبیب ﷺ نے آخر اس ٹاسک کو کیسے پورا کیا؟

(۱) مواخاتِ مدینہ:

پہلی بات، جب آپ مدینہ طیبہ پہنچے تو پہلا کام یہ کیا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کا، بھائی چارے کا ایسا تعلق جوڑا کہ تاریخِ انسانیت بھائی بھائی بننے کی ایسی مثال کبھی پیش نہیں کر سکی۔

(۲) دیگر قبائل سے امن کے معاہدے:

پھر دوسرا اسٹیپ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا کہ جوار دگر د قبائل تھے ان کے ساتھ امن معاہدہ کیا کہ ہم آپس میں مل کر رہیں گے اور ظلم کے خلاف ہم ایک ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ اس دور کا بین الاقوامی معاہدہ تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے معاہدہ لکھا:

((هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قُرَيْشٍ وَ يَثْرِبَ وَ مَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَ جَاهَدَ مَعَهُمْ أَنَّهُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ)) (السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم: ۱۶۸۰۸)

کیا خوبصورت الفاظ ہیں! بتا دیا کہ بول کیا ہے؟ ہر بندے کی لائف کا ایک Objective (بول) ہوتا ہے، آپ کا بول تھا اِنَّهُمْ أُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ

پھر فرمایا:

وَ اَنَّ يَهُوْدَ بَنِيْ عَوْفٍ اُمَّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنَّ بَيْنَهُمْ نُصْحاً وَّ نَصِيْحَةً وَ بِرًّا دُوْنَ اِثْمٍ وَ اَنَّ النَّصْرَ لِلْمَظْلُوْمِ

سارے کے سارے مظلوم کے معاون بنیں گے اور ہمارا یہ معاہدہ نیکی اور خیر کا معاہدہ ہے۔

(۳) دور کے قبائل سے معاہدے:

پھر اللہ کے حبیب ﷺ نے ایک تیسرا اسٹیپ لیا اور Wide (وسیع) اپنے کام کو کیا کہ جو ذرا دور کے قبائل تھے ان کو بھی اس معاہدے میں شامل فرمایا۔ چنانچہ ہجرت کے پہلے سال وِدان، مکہ مدینہ کے درمیان ایک علاقہ ہے، اس میں قبیلہ بنی حمزہ تھا۔ اللہ کے نبی ﷺ سفر کر کے گئے اور ان کو Convince (قائل) کر کے ان کو بھی معاہدہ پر دستخط کرنے پر آمادہ کیا۔ پھر ہجرت کے دوسرے سال کوہِ بوات کے لوگوں کو شریک معاہدہ کیا، پھر بنو مزدلج کے لوگ ان کو شریک معاہدہ کیا، تو گویا اللہ کے نبی ﷺ چاہتے تھے کہ سارے لوگ امن کے معاہدے پر جمع ہو جائیں اور پر سکون ہو کر اپنے رب کی عبادت کریں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دفاعی سٹریٹجی

لیکن قریشِ مکہ کے غیض وغضب کا حال عجیب تھا، وہ چاہتے تھے کہ یہ اپنی جگہ پر کیوں خوش ہیں؟ چنانچہ انہوں نے ان مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے نہیں رہنے دیا اور کئی جنگیں پیش آئیں، ان کا بہت ہی مختصر سا تذکرہ کرتے ہوئے، یہ عاجز اپنے نتیجے کی طرف آگے بڑھتا ہے۔

جنگِ بدر

سب سے پہلے تو بدر کے اندر پہلی جنگ ہوئی مگر وہ بھی قریشِ مکہ چل کر گئے۔ بدر مدینہ سے قریب ہے مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنا پڑا۔ اللہ کی شان کہ ستر بندے کفار کے قتل ہوئے اور ستر بندے قید ہوئے۔ اب اگر جوشِ انتقام دکھانا ہوتا تو ان ستر قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا۔ مگر نہیں اللہ کے حبیب ﷺ یہ جانتے تھے کہ اگر ناپاک چیز کو پاک

کرنا ہوتو وہ پیشاب سے پاک نہیں ہوتی، پانی سے پاک ہوتی ہے، پاک چیز سے پاک ہوتی ہے۔آپ برائی کو جڑ سے ختم کرنا چاہتے ہیں، عداوت کو، دشمنی کو، نفرتوں کو تو آپ کو برائی کے بدلے اچھائی دکھانی پڑے گی، چنانچہ فدیہ لے کران کو آزاد کر دیا۔جن کے پاس پیسے نہیں تھے ان کو کہا کہ چند مسلمانوں کو پڑھادو ہم تمہیں آزاد کر دیں گے۔تو کیا کوئی جنگی قیدیوں کواس طرح آزاد کرتا ہے، مگراس عفو درگزر میں بھی بڑی حکمت تھی۔

غزوۂ احد:

پھراگلے سال ان قریش نے دوبارہ حملہ کیا۔تین ہجری میں غزوۂ احد پیش آیا، اللہ کے حبیب ﷺ کو زخم بھی آئے۔لوگوں نے بھی کہا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! ان کافروں کے لیے بدعا کیجیے! میرے آقا ﷺ نے فرمایا:

((اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَ لٰکِنْ بُعِثْتُ رَحْمَةً)) (صحیح مسلم، رقم:۴۷۰۴)

''میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا میں رحمت بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہوں''

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپا لے
جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ
وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

غزوۂ خندق:

پھر قریش نے ایک Third Attempt (تیسری کوشش) کی۔غزوۂ خندق

کے نام سے مسلمان محصور ہو گئے۔ ایک مہینہ محاصرہ رہا اور اللہ کی شان کہ وہ لوگ تو کسی کنفرم گراؤنڈ کے اوپر تو آئے نہیں تھے، ان میں آپس میں اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا﴾ (الاحزاب:۵۲)

چنانچہ وہ واپس آ گئے اب Basicaly (بنیادی طور پر) اللہ کے نبی ﷺ نے ان کو تھکا دیا تھا۔ وہ لوگ اب مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے مجتمع نہیں تھے، چنانچہ واپس آ گئے۔

صلح حدیبیہ......فتح مبین:

اللہ کے حبیب ﷺ نے اس سال خواب دیکھا کہ میں عمرہ کر رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے عمرہ کا ارادہ فرما لیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ حدیبیہ مکہ کے قریب ایک جگہ ہے، وہاں پہنچ کر قریش نے ایک بندہ بھیجا کہ جی ہم تو آپ سے لڑیں گے، ہم تو آپ کو نہیں آنے دیں گے۔ انہیں بتایا کہ بھئی! جانور ہمارے ساتھ ہیں، ہم عبادت کی نیت سے آ رہے ہیں، ہمیں عبادت کرنے دو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ اب نبی علیہ السلام نے محسوس فرما لیا کہ اب یہ لڑنے کی حالت میں تو نہیں تھک گئے ہیں۔ تو آپ نے کہا کہ یہ بہترین موقعہ ہے ان کو کسی معاہدے کے اوپر پابند کر دیا جائے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم ہمارے ساتھ دس سال جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لو۔ وہ بھی تھکے ہوئے تھے، کہنے لگے: اچھا ہم تیار ہیں۔

اب انہوں نے اپنے نمائندے بھیجے، نمائندوں نے عجیب وغریب شرطیں رکھیں کہ مسلمان اگر کافر ہو گا تو ہم اس کو واپس نہیں کریں گے، کافر مسلمان ہو گا تو مسلمان

اسے ہمیں واپس کریں گے۔کیسی عجیب شرط ہے! بھئی! نظر آتا ہے کہ برابری کی بنیاد پہ تو معاہدہ ہو ہی نہیں رہا۔دوسری بات یہ کہ مسلمان اس سال عمرہ نہیں کریں گے واپس چلے جائیں گے اگلے سال بیشک آکر عمرہ کرلیں۔

اور تیسری شرط جو قبیلہ جس کے ساتھ معاہدہ کر کے رہنا چاہے گا اس کو اجازت ہوگی۔اللہ کے حبیب ﷺ نے یہ صلح نامہ کرلیا، اس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔اور رب کریم نے اس کو فَتْحًا مُّبِيْنًا فرمایا۔ظاہر میں کیا نظر آتا ہے کہ دب گئے ہیں، لیکن قیادت کو اللہ کے حبیب ﷺ نے ایک Message پیغام دیا کہ دیکھو! آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھ کر ٹھنڈے دلوں دماغ سے فیصلے کرنا یہ اچھی لیڈرشپ کی روایت ہے۔اللہ کے حبیب ﷺ نے صلح کرلی، پھر واپس تشریف لے آئے اور دین کی دعوت کا کام شروع ہوا ؎

عجیب قوت تعمیر تھی ایسی خس و خاشاک میں
آندھیاں چلتی رہی اور آشیاں بنتے رہے

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی Attacking (حملہ) سٹریٹجی

فتحِ مکہ کی پرامن حکمتِ عملی:

دعوت بھی چلتی رہی، دین بھی پھیلتا رہا، حتی کہ دو سال نہیں گزرے تھے کہ قریشِ مکہ نے صلح کی خلاف ورزی کی۔ایک قبیلے کا ناجائز ساتھ دیا۔وہ مسلمان جو غزوہ خندق میں تین ہزار تھے، ان دو سالوں میں یہ پیغام اتنا Wide Spread (پھیل) چکا تھا کہ اب وہ دس ہزار بن چکے تھے۔اللہ کے نبی ﷺ نے اب Step

(قدم) لیا کہ دیکھو! اب انہوں نے جان بوجھ کر خرابی کی ہے تو آپ ﷺ دس ہزار صحابہ کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچے۔ اب کافروں میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ جنگ کر سکیں۔ تو اللہ کے حبیب ﷺ نے ان کو دیکھیے کس طرح Cool Down ٹھنڈا کیا۔ کیوں کہ اگر دوسرے بندے کو کمزور دیکھ کر انتقام لے بھی لیا جائے تو اگر چہ وہ کچھ نہیں کر سکتا لیکن اس کی Heart Burning (دل کی آگ) تو رہتی ہے۔ تو آج نہیں تو کل اپناری ایکشن شو کرے گا، لیکن اللہ کے حبیب ﷺ اس کو تو ختم ہی کروانا چاہتے تھے۔

چنانچہ دیکھیے! جب وہاں تشریف لے گئے تو اس وقت مسلمان فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اب قریشِ مکہ پریشان تھے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ وہ سمجھتے تھے کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے گا، عزتیں لوٹ لی جائیں گی، مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے ایسا کچھ بھی نہیں فرمایا۔ انتہا دیکھیے! کہ داخل ہونے سے پہلے اللہ کے حبیب ﷺ نے فرما دیا کہ جو آدمی گھر کے اندر بیٹھا رہے گا اس کو معافی، جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا اس کو معافی، جو دار ابو سفیان میں داخل ہو جائے اس کو بھی معافی، دارِ حکیم بن حزام میں داخل ہو جائے اس کو بھی معافی۔ جو اپنے ہتھیار پھینک دے اس کو بھی معافی۔ جو زخمی ہوگا اسے ہم قتل نہیں کریں گے، اگر کوئی بھاگے گا تو ہم اس کا تعاقب نہیں کریں گے اور کوئی اسیر ہوگا تو ہم اس کو قتل نہیں کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ خون نہیں بہانا چاہتے تھے بلکہ چاہتے تھے کہ وہ لوگ صلح کے ساتھ اب ہمارے ساتھ رہیں، مل کر رہنے لگ جائیں۔ وہ اپنی زندگی گزاریں ہم اپنے دین پر زندگی گزاریں اور ایسا ہی ہوا۔

دلوں کی فتح:

چنانچہ اگلے دن عرب کے بڑے بڑے سردار آئے معافی مانگنے کے لیے،

ابوجہل کا نوجوان بیٹا عکرمہ آیا، کتنا اچھا موقعہ تھا اس سے بدلہ لینے کا۔ کسی نے آ کر کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ! عکرمہ آیا ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ لیٹے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے: اے مہاجر سوار! تیرا آنا مبارک۔

پھر اس کے بعد حبار بن اسود آیا۔ یہ وہ تھا جس نے آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بہت زیادہ تکلیف پہنچائی تھی اور اسی زخم کے اندر بالآخر ان کی وفات ہوئی تھی۔ بیٹی کے قاتل کو دیکھ کر آنکھوں میں خون اتر آتا ہے مگر اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کو بھی معاف فرما دیا۔

پھر ہندہ آئی جو آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قاتلہ تھی، ان کا سینہ کھولا، دل نکالا اور اس نے چبایا تھا۔ اس نے معافی مانگی، اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ واسی آیا اس کو بھی اللہ کے حبیب ﷺ نے معاف کر دیا۔

ایک مکہ مکرمہ کا اسلحہ ڈیلر تھا، اس کا نام تھا صفوان بن امیہ۔ یہ نبی علیہ السلام کو شہید کروانے کی ایک Attempt (کوشش) بھی کر چکا تھا اور سازشوں میں بھی شریک تھا۔ جب مکہ فتح ہونے لگا تھا تو یہ بھاگ گیا تھا۔ تو اس کے ایک ساتھی نے کہا: جی اس کو معاف کر دیں۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے فرمایا: اچھا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اس نے کہا کہ جی میں اگر اس کو جا کر بتاؤں گا تو میرے پاس کیا پروف ہے؟ حیران ہوتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنا عمامہ اتار کر دیا کہ یہ اس کو ثبوت کے طور پر پیش کر دینا۔

پھر دیکھیے! ایک شخص تھے عثمان، ان کے پاس بیت اللہ کی چابی تھی۔ نبی ﷺ ہجرت فرما کر جانے لگے تو آپ نے اسے فرمایا کہ بیت اللہ کھولو! میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے گھر میں داخل ہو کر عبادت کروں۔ تو اس نے نہ کر دی تھی آپ ﷺ فرمایا کہ

عثمان ایک وقت آئے گا کہ جس پوزیشن پر تم کھڑے ہو اس پر میں ہوں گا اور جس پر میں ہوں اس پر تم کھڑے ہو گے۔ آپ ﷺ نے اس کو بلوایا، چابی لی، دروازہ کھلوایا، عبادت کی، جب باہر نکلے صحابہ Expect (توقع) کر رہے تھے کہ اب یہ چابی ہمیں مل جائے گی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے عثمان کو بلایا، عثمان! اس وقت کو یاد کرو جب میں نے تمہیں یہ Words (الفاظ) دیے تھے۔ میرے اللہ نے وعدہ سچ کر دکھایا، آج کنجی میرے ہاتھ میں ہے اور تمہارے ہاتھ خالی ہیں، مگر عثمان جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا میں تمہارے ساتھ وہ نہیں کروں گا۔ میں یہ چابی تمہیں دیتا ہوں، یہ قیامت تک تمہاری نسل میں رہے گی۔ عثمان اسلام قبول کر لیتا ہے، اللہ کے حبیب ﷺ نے عفو و درگزر کے ذریعے ان کے دل جیتے تھے، ان کو Win over (فتح) فرما لیا اللہ کے حبیب ﷺ نے۔ آج Crisis Management سیکھنی ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی سیرت سے آ کر سیکھیں کہ ایسے دشمنوں کے ساتھ ایسا اخلاق کا برتاؤ۔

پھر ایک مزے کی بات، جب مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے، ان کے گھر ان کی جائیدادوں پر کافروں نے قبضہ کر لیا تھا۔ آج مسلمان فاتح بن کر کھڑے تھے، ایک صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! کیا ہم ان سے اپنی جائیدادیں واپس لے سکتے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم جس چیز کو اللہ کی خاطر چھوڑ چکے ہو اس کو لینے کی تمہیں کیا ضرورت ہے؟ کیوں؟ اگر لے لیتے تو وہ اندر آگ جلتی رہ جاتی وہ بجھ نہیں سکتی، ایثار عفو و درگزر یہ وہ راستہ ہے جس سے دشمن بھی انسان کے دوست بن جایا کرتے ہیں اور نبی علیہ السلام نے اسی کو اپنایا۔ ع

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

چنانچہ مکہ مکرمہ کے لوگ اب سب اپنے دلوں سے اس نفرت کو نکال چکے تھے،

مسلمان ہو چکے تھے، بہت سارے جو نہیں ہوئے تھے ان کے دل میں کم از کم آگ بجھ گئی تھی۔

اہلِ حنین وطائف کی فتح:

اس کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا اللہ کے نبی ﷺ کے ہاتھ میں چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں چھ ہزار قیدی آئے۔ لیکن اگلے دن ان کے چھ سردار آئے، کہنے لگے کہ جی بڑی غلطی ہوگئی پلیز معاف کردیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اچھا یہ معاملہ میرے اکیلے کا نہیں ہے، مجھے اپنے لوگوں کو Confedence (اعتماد) میں لینا ہے۔ لہٰذا کل فجر کے بعد تم آکر اعلان کرنا۔ اب دیکھیے! مینجمنٹ کی کیا خوبصورتی ہے! اکیلے فیصلہ کر دیتے تو ممکن ہے صحابہ کو فوراً اس کو ڈائجسٹ (ہضم) کرنا مشکل ہو جاتا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے کتنا خوبصورت آئیڈیا دیا، اگلے دن فجر کے بعد آئے اور چھ سرداروں نے آکر معافی مانگی: جی بڑی غلطی ہوگئی پلیز پلیز معاف کردیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے؟ اے اللہ کے نبی ﷺ! جو آپ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان سب کو معاف کردیا، سارا مالِ غنیمت ان کو واپس کردیا۔ اس سے کیا ہوا کہ مکہ طائف حنین اور ان جگہوں کے جتنے مشرکین تھے سب کے دلوں کی آگ بجھ چکی تھی۔ اب ان کے دلوں میں نفرتوں کی جگہ محبتیں آچکی تھیں، ہمیشہ کے لیے اس مسئلے کو ہی حل کردیا مگر یہ تو ایک فرنٹ تھا، اس کے علاوہ بھی تو امن خراب کرنے والے لوگ تھے۔

دوسرا فرنٹ...... یہود:

ایک سیکنڈ فرنٹ تھا، اس کو کہتے ہیں یہود کا فرنٹ۔ کچھ قبیلے تھے جو مدینہ طیبہ میں

بستے تھے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان میں ایک قبیلے نے جب مسلمان بدر کے لیے گئے ایک مسلمان عورت کو سرِ بازار برہنہ کر کے بے عزت کیا۔ اللہ کے نبی ﷺ جب واپس لوٹے تو آپ نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں اس کی سزا میں اتنا کہتے ہیں کہ تم یہاں سے جاؤ چنانچہ وہ وہاں سے جا کر قبیلہ بنو کینکاہ خیبر میں آباد ہو گئے۔ پھر بنو نضیر کے لوگوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک دیوار کے نیچے بیٹھا کر اوپر سے پتھر گرا کر شہید کرنے کا Plane (منصوبہ) بنایا۔ اللہ کے حبیب ﷺ کو اللہ نے بتا دیا اب جب سارہ منصوبہ ظاہر ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اب تمہاری سزا یہ ہے کہ اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ وہ بھی خیبر چلے گئے۔

غزوۂ خیبر میں بنو قریضہ نے مشرکین کا ساتھ دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم تم سے اب اس کا کیا بدلہ لیں؟ تم خود بتاؤ! تمہاری Choice (خواہش) کیا ہے؟ ان کے ایک صحابی تھے سعد بن معاذ ان رضی اللہ عنہ، ان کے ساتھ ذرا کاروباری تعلق تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لیے نرم گوشہ رکھتے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ جی یہ جو فیصلہ کر دیں۔ انہوں نے تورات کے مطابق فیصلہ کر دیا، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ مجھے حکم بنا دیتے تو میں ان سب کو معاف فرما دیتا۔

تو اس طرح یہود مدینہ سے تو چلے گئے مگر خیبر جا کر بھی انہوں نے پھر مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ جب آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ خیبر کی طرف تشریف لے گئے۔ خیبر فتح ہوا۔ کچھ دن وہاں رہے۔ نبی علیہ السلام نے اہل خیبر اہل فدق، وادی قرا، اہل تیمہ ان سب کے ساتھ پھر امن کا معاہدہ فرمایا۔ پھر آپ ﷺ جانتے تھے کہ خیبر کے لوگوں کو مطمئن تو کرنا ہی ہے تا کہ یہ دوبارہ مسلمانوں کے خلاف صف آرا نہ ہوں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ان کے بادشاہ کی جو بیٹی تھی صفیہ ان کو اپنے

نکاح میں لے کر ان سے رشتے داری قائم کر دی۔ اس کے بعد یہود نے مسلمانوں کے ساتھ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں کبھی کوئی حرکت نہیں کی۔ یوں اس مسئلے کو بھی حل کر دیا۔

تیسرا فرنٹ......نصاریٰ:

اب تیسرا فرنٹ تھا نصاریٰ کا۔ کیونکہ وہ تو اس وقت کی سپر پاور تھے۔ قیصر اور نجران اور اس قسم کے علاقے جہاں ان کے حکومتیں بھی تھیں۔ نبی علیہ السلام کو پتہ چلا کہ ہمارے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ تو شام کے علاقے موتہ میں نصاریٰ کے ساتھ جنگ ہوئی اور اس کی عجیب تفصیلات ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہاں پر فتح عطا فرمائی اور نصاریٰ وہاں سے بھاگ گئے۔ نصاریٰ کی تعداد ایک لاکھ تھی اور مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ پھر کچھ عرصہ بعد پتہ چلا کہ قیصر کئی لاکھ فوج لے کر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لیے تیاری فرمائی اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف کہا کہ بھئی! تم اس کے لیے چندہ جمع کراؤ تاکہ لوگ سفر کر کے جا سکیں۔ لمبا سفر تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر اللہ کے راستے میں مال قربان کرنے کی مثالیں قائم کر دیں۔ یہی موقعہ ہے جس کے لیے علامہ اقبال نے اشعار کہے۔ ذرا سنیے کہ صحابہ نے کس جذبے سے اپنے مال کو پیش کیا:

ایک دن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے کہا
دے مال راہِ حق میں جو ہو تم میں مال دار
ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمر اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیق ہے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسول امین کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرورِ عالم نے اے عمر!
اے وہ کہ جوشِ حق سے تیرے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضاء پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آگیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت
ہر چیز جس کا چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور چاہیے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ ماہ و انجم فروغِ دید
ہے تیری ذات باعث تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

کیسے عظیم انسانوں کی جماعت تیار کر دی اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے۔ چنانچہ مسلمان گئے، اللہ کی شان کہ نصاریٰ مقابلے میں نہیں آئے اور مسلمانوں نے وہاں بھی امن معاہدے کیے اور بالآخر واپس آئے۔ وہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایلہ کا ایک حاکم تھا، اس سے معاہدہ کیا، جندل کا جو بادشاہ تھا وہ گرفتار ہوا، نبی علیہ السلام نے آزاد کر دیا، اس سے پھر معاہدہ ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی ﷺ ہر جگہ اپنے مقصد کو پورا کرتے تھے کہ لوگ Agree (مان) کر جائیں کہ ہم نے امن اور سلامتی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ نصاریٰ کا بھی یہ معاملہ حل ہو گیا۔ یہ تین بڑے فرنٹ تھے جن پر اللہ کے حبیب ﷺ نے کام کیا اور لوگوں کو امن وسلامتی کے ساتھ زندگی گزارنے پر Convince (قائل) کر لیا۔

چوتھا فرنٹ......منافقین:

ایک چوتھا فرنٹ بھی تھا۔ وہ کیا کہ مدینہ طیبہ میں کچھ مشرکین ایسے تھے کہ جب مسلمان آئے تو وہ اوپر اوپر سے مسلمان بن گئے حالانکہ وہ دل سے مسلمان نہیں تھے، ان کو منافقین کہتے ہیں۔ وہ ہر موقع پر کچھ نہ کچھ مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔ اب یہ ایک عجیب پوائنٹ ہے، سمجھنے والا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو ان کے نام بھی بتلا دیے تھے۔ اللہ کے حبیب ﷺ کی وسعتِ ظرفی دیکھیے کہ ناموں کا پتہ ہر وقت آنا جانا اٹھنا ملنا بیٹھنا، مگر اللہ کے حبیب ﷺ ان کے ساتھ غصے کا اظہار نہیں فرمایا۔ ان کی منافقت کو بھی برداشت فرما لیا۔ اس کو کہتے ہیں (ٹریک نمبر چار میں ۵:۵۰) پتہ تھا یہ منافق ہیں۔ حتیٰ کہ ان منافقین نے نبی علیہ السلام کے اہلِ خانہ پر بہتان لگایا، اس سے بڑی تو اور کوئی بات تو نہیں ہو سکتی۔ مگر اللہ کے نبی ﷺ نے ان سے کوئی Rewenge (انتقام) نہیں لیا۔ جب ان کا سردار رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابیٔ

مر گیا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے اس کے بیٹے کی فرمائش پر اپنا جبہ اس کے لیے دیا، نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! منافق کا جنازہ نہ پڑھائیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں جنازہ پڑھاؤں گا، اللہ کے نبی ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھایا پھر Effect (اثر) کیا ہوا کہ اس کے Followers (ماننے والوں) میں سے ایک ہزار بندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ تو نبی علیہ السلام نے دیکھو! منافقین سے اس طرح عفو و درگزر کا معاملہ کرتے ہوئے بالآخر ان کو بھی اسلام کے دامن میں جگہ عطا فرما دی۔

تو چار فرنٹ تھے چاروں کے ساتھ اللہ کے نبی ﷺ نے اتنی خوبصورتی کے ساتھ معاملہ کیا کہ سب امن سلامتی کی زندگی گزارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام کی زندگی میں پھر کبھی ایسی جنگ کا معاملہ پیش نہیں آیا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری پیغام......امن کا پیغام:

چنانچہ نبی علیہ السلام دس ہجری میں مکہ مکرمہ حج کرنے آئے اب Objective Achieve (مقصد حاصل) ہو چکا تھا، گول حاصل کر لیا تھا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے مکہ مکرمہ کے امن والے شہر میں، امن کے مہینے میں، امن کا عالمی پیغام انسانوں کو دیا۔ پہلے پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ کون سا دن ہے؟ تینوں حرمت والے۔ فرمایا:

((إِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا))

(جامع الاحادیث، رقم: ۳۶۹۲۷)

''بے شک تمہارے خون اور اموال اور جانیں دوسرے کیلیے حرام ہیں جیسے

کہ یہ دن یہ شہر اور یہ مہینہ حرمت والا ہے''

امن کا عالمی پیغام دیا۔ آج لوگ دنیا میں بڑے کام کرتے ہیں مگر جب جاتے ہیں تو کہنے والے کہتے ہیں کہ جی کام مکمل نہ کر سکے، زندگی نے ساتھ نہ دیا۔ معلوم ہوا کہ ہر بندے کی زندگی ادھوری۔ تاریخِ انسانیت پڑھ کر دیکھ لیجیے! ایک شخصیت ایسی ہے جس نے کامل زندگی گزاری، ایک لاکھ سے زیادہ انسان سامنے ہیں، رات کے اندھیرے میں نہیں اللہ کے نبی ﷺ دن کی روشنی میں ان سے پوچھتے ہیں کہ میں جو پیغام پہنچانے کے لیے آیا تھا کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ سب نے ہاتھ اٹھا کر تصدیق کی کہ پہنچا دیا۔ آپ نے انگلی کا اشارہ کر کے کہا:

((اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ))(صحیح مسلم: رقم ۲۱۳۷)

''اللہ گواہ رہنا''

جو مقصد لے کر میں آیا تھا، اس مقصد کو دنیا میں Achieve (پورا) کر دیا۔

یہ امن سلامتی کے پیامبر تھے۔ جنہوں نے حجۃ الوداع میں امن وسلامتی کا فائنل پیغام دیا اور پھر اس کے بعد اللہ کے حبیب ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

رشتے داری برائے امن:

اب ذرا دو باتیں آپ سرسری کے طور پر سن لیجیے! پہلی بات کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قبائل کے جوری ایکشن تھے ان کو ختم کرنے کے لیے بہت سارے قبائل کے ساتھ اپنا خاندانی رشتہ بھی جوڑا۔ چنانچہ سید عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جب آپ ﷺ نے نکاح فرمایا تو مہاجرین کے ساتھ بہت محبت بڑھ گئی۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تو ابو سفیان اس کے بعد کبھی مسلمانوں کے ساتھ صف آرا نہ ہوا۔ جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تو بنی مصطلق کے کذاب ڈاکو تھے وہ کبھی

مسلمانوں کے ساتھ نہیں لڑے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ان کے جو بہنوئی نجد کے سردار تھے وہ کبھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ آرا نہیں ہوئے۔ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو یہود اس کے بعد مسلمانوں سے نہیں لڑے۔ تو یہ بھی ایک پہلو ہے سیرت کا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح رشتے ناطے جوڑ کر ان کے دلوں کے غیض وغضب کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

امن کے عالمی پیامبر:

اب ذرا سوچیے کہ اتنے تھوڑے وقت میں اتنے تھوڑے Resources (وسائل) کے ساتھ اتنا بڑا ٹارگٹ Achieve (حاصل) کر لینا یہ صرف ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے۔ آج دنیا بہت نقصان کر بیٹھتی ہے اور ان کو ذرا بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ذرا سنیے! تا کہ بات کھل جائے۔ دنیا میں انقلاب آتے ہیں مگر انسان مولی گاجر کی طرح کترے جاتے ہیں۔ یہ تاریخی حقائق ہیں یہ عاجز عرض کر رہا ہے۔

- فرانس میں جب جمہوری انقلاب آیا، چھبیس لاکھ انسان قتل ہوئے۔
- روس کے اندر کیمونزم کا انقلاب آیا، ایک کروڑ انسان قتل ہوئے۔
- 1914ء کی جنگ عظیم میں تہتر لاکھ انسان قتل ہوئے۔
- دوسری جنگِ عظیم میں ایک کروڑ چھ لاکھ انسان قتل ہوئے۔
- 1857ء کی جنگ آزادی میں ایک کروڑ انسان قتل ہوئے۔
- 1955ء کوریا کی جنگ میں پندرہ لاکھ انسان قتل ہوئے۔
- 1979ء میں رشیا افغان جنگ میں دس لاکھ انسان قتل ہوئے۔
- 1990ء کی گلف وار میں ایک لاکھ انسان قتل ہوئے۔

◉ ایران عراق جنگ میں ابھی کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے چار لاکھ انسان قتل ہوئے۔ اتنے لوگ قتل ہو گئے مگر لوگ اپنا ٹارگٹ حاصل نہ کر سکے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی پوری زندگی میں جتنے غزوات ہوئے ان میں مسلمانوں اور کافروں کے ملا کر کل ایک ہزار بندے کام آئے۔ اتنے تھوڑے نقصان پر میرے آقا ﷺ نے پوری دنیا کے اندر امن قائم کر دیا۔

میرا قائد ہے وہ صلح امن پیغام تھا جس کا
محمد نام تھا جس کا محبت کام تھا جس کا
وہ رفتہ رفتہ جس نے قوم کو منزل عطا کر دی
کلی آغاز تھی جس کی چمن انجام تھا جس کا

اللہ رب العزت ہمیں اس آقا ﷺ کی ان پیاری پیاری تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ گھروں میں امن ہو، محلوں میں، شہروں میں، ملک میں ہم جہاں جائیں امن کے پیامبر بن کر زندگی گزاریں کہ آقا ﷺ نے فرمایا:

میرا پیغام ہے محبت جہاں تک پہنچے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

(الملک:۲)

زینتِ اعمال

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 26 اپریل 2010ء مطابق جمادی الاول ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

وقت: بعد نمازِ عشاء موقع: علما اور طلبا سے خطاب

زینتِ اعمال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:۲)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

کوالٹی مطلوب ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:۲)

''اس نے موت وحیات کو پیدا کیا کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے''

اللہ رب العزت نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا تا کہ وہ یہ جان سکے کہ ہم میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اَیُّکُمْ اَکْثَرُ عَمَلًا نہیں فرمایا کہ تم میں سے کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا:

﴿اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

تو ہر چیز کی ایک مقدار ہوتی ہے اور ایک اس کی کیفیت ہوتی ہے، ایک کمیت دوسرا کیفیت۔ انگریزی میں ایک کو کہتے کوانٹٹی Quantity (مقدار) اور دوسرے کو کہتے ہیں کوالٹی Quality (معیار)، تو گویا اس آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت

فرماتے ہیں کہ ہم یہ آزمانا چاہتے ہیں کہ تم میں سے کوالٹی والے عمل کون کرتا ہے۔

اعمال کا کوالٹی کنٹرول:

آج دیکھیں سائنس کا زمانہ ہے، ہر چیز میں کوالٹی دیکھتے ہیں۔ کپڑوں میں کوالٹی، چیزوں میں اچھی کوالٹی، میٹریل میں اچھی کوالٹی، بلکہ جس انڈسٹری کی کوالٹی اچھی ہو لوگ چیزیں بھی اسی کی خریدتے ہیں۔ اور کارخانوں والے مشینیں بھی ایسی لگاتے ہیں جو بہترین کوالٹی کی چیز بناتی ہو۔ اس وقت تمام ترقی یافتہ ممالک میں مادی اعتبار سے ان کے مختلف شعبوں میں کوالٹی کنٹرول ڈیپارٹمنٹ بن گئے ہیں۔ جو چیک کرتے رہتے ہیں کہ چیز کی کوالٹی ٹھیک رہے۔ آپ سوچیں جب ہم انسان ہو کر ہر چیز میں کوالٹی کو چاہتے ہیں تو اللہ رب العزت تو مالک الملک ہے، وہ بھی بندے کے اعمال کی کوالٹی کو مانگتے ہیں کہ بندے! عمل کرو تو خالص میرے لیے، ذرا بھی اس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔ آج انسان خالص چیز کو زیادہ قیمت دے کر خریدتا ہے، اللہ بھی اخلاص والے عمل کو زیادہ اجر دے کر لیتے ہیں۔

اعمال کے دو درجے:

تو ہم اپنے جو اعمال کرتے ہیں ان کے دو درجے ہیں:

پہلا درجہ کہ ہم عمل کرنے والے بن جائیں۔ مثلاً نماز پڑھنے والے بن جائیں۔

اور دوسرا درجہ کہ وہ نماز اس قابل ہو کہ نماز کہلائے۔ اس میں خشوع وخضوع ہو۔ تعدیلِ ارکان ہو، انسان ڈوب کر نماز پڑھے، تسلی کے ساتھ رکعتیں پڑھے، اس کو کوالٹی کہتے ہیں۔

ہمارے مشائخ ہر عمل میں اس کی کوالٹی کو Achieve (حاصل) کرتے تھے۔ جب کہ ہم اس میں ہی پھنسے ہوئے ہیں کہ ہم کبھی عمل کر پاتے ہیں کبھی نہیں کر پاتے۔ چنانچہ اکثر سالکین کہتے ہیں کہ جی ہم مراقبہ ہی نہیں کر پاتے، معمولات ہی نہیں کر پاتے۔ اب ہم ہونے نہ ہونے کہ منزل میں پھنسے ہوئے ہیں اور ہم سے مطالبہ تو اگلی منزل کا ہو رہا ہے کہ تم نے جو کرنا بھی ہے تو وہ تم نے کسی کوالٹی کا کام کرنا ہے، یکسو ہو کر تم نے مراقبہ کرنا ہے۔ آپ سوچیے کہ ہم ابھی پہلے Step (درجے) پر پھر رہے ہیں۔ ہمیں تو ایک دوسرا قدم اور آگے بڑھانا ہے ان اعمال کی کوالٹی کو Improve کرنا ہے۔

زینت کی سات باتیں:

چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کے احسانات اس امت پر بہت ہیں۔ ان کا ایک قول ہے جو میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے امت پر احسان کیا کہ اس میں ہم جیسے عام آدمیوں کو بات کھرے کھرے لفظوں میں سمجھا دی۔ چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ چند چیزوں کی زینت چند چیزوں میں ہے۔

زینت کہتے ہیں کوالٹی کو، خوبصورتی کو، اچھائی کو۔ مثال کے طور پر ایک آدمی نے فرنیچر بنایا مگر خالی لکڑی کا فرنیچر اتنا اچھا نہیں لگتا۔ وہ پھر اس کے اوپر وارنش کرتا ہے۔ وارنش کر کے رنگ تو ہو گیا خوبصورت پھر بھی نہیں لگتا۔ پھر وہ اس کے اوپر ایک لِکر چڑھاتا ہے۔ وہ لِکر ایسا پانی ہے جب وہ پھیر دیں تو وہ ایسے چمکتا ہے جیسے گلاس چمکتا ہے، اسی طرح وہ پالش چمکنے لگ جاتی ہے۔ وہ جو لکر چڑھاتا ہے اس کو زینت کہتے ہیں کہ فرنیچر کے اوپر زینت آ گئی۔ تو یوں سمجھیں کہ چند چیزوں کی زینت چند چیزوں میں ہے یعنی اگر وہ چند چیزیں ہم اپنائیں گے تو وہ چیزیں چمکنے لگ جائیں گی۔

Glow (چمکنے) کرنے لگ جائیں گی، اللہ تعالیٰ کی نظر میں اور خوبصورت ہو جائیں گی۔ ان کی کوالٹی امپروو ہو جائے گی۔

اس لیے آج جس گھر میں شادی ہوتی ہے وہ فرنیچر دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم اس شہر سے بنوائیں یا اس شہر سے۔ اور جن کو مال پیسہ زیادہ ملا وہ سوچتے ہیں کہ ہم اس ملک سے بنوائیں یا اس ملک سے، وہ ملکوں کی بات کرتے ہیں۔ کیونکہ مختلف ملکوں میں فرنیچر بنانے کی کوالٹی بھی برانڈ ہے۔ تو ہم نے دیکھا کہ لوگ بیرون ملک سے فرنیچر بنواتے ہیں۔ اس کے اوپر ایسی وارنش ہوتی ہے ایسی لکر چڑھی ہوتی ہے کہ فرنیچر کو دیکھتے ہی انسان حیران ہوتا ہے کہ کیا شیشے نما فرنیچر بنا دیا۔ تو ہم اپنے اعمال کو اگر اللہ رب العزت کی نظر میں خوبصورت کرنا چاہتے ہیں اچھا اور بہتر کرنا چاہتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اعمال اللہ کو پسند آ جائیں تو ہمیں اپنے اعمال میں یہ خوبیاں پیدا کرنی پڑیں گی۔ سات باتیں انہوں نے فرمائیں مگر پورے دین کا نچوڑ اکٹھا کر کے رکھ دیا۔

① نعمت کی زینت شکر میں ہے

سب سے پہلی بات انہوں نے فرمایا کہ نعمت کی زینت شکر میں ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نعمت تو ہم سب کو عطا کرتے ہیں۔ وہ رحمن ہے اپنے اور پرائے ہر ایک کو نعمتیں دیتا ہے۔ وہ نیکوکار کو بھی نعمتیں دیتا ہے وہ بدکار کو بھی نعمتیں دیتا ہے، وہ وفادار کو بھی نعمتیں دیتا ہے، وہ غدار کو بھی نعمتیں دیتا ہے، وہ ایسا رحمن ہے۔ مگر جو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے وہ اللہ کو مقبول ہوتا ہے۔ جو اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرے، وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ آج نعمت ملتی ہے تو ہمیں شکر یاد نہیں ہوتا، جب چھن جاتی ہے تو

پھر شکر یاد آتا ہے۔ اس لیے نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کریں۔

اس کی مثال سنیں: ایک نوجوان نوکری چاہتا ہے، انٹرویو دینے گیا، اب اسے نوکری نہیں ملی تو جب باہر نکلنے پر لوگ پوچھیں گے کہ کیا ہوا؟ کہے گا: جی اللہ مرضی۔ یہی نوجوان دوسری جگہ انٹرویو دینے گیا، نوکری مل گئی، باہر نکلتے ہی لوگوں نے پوچھا کہ کیا بنا؟ تو کہے گا جی انہوں نے یہ پوچھا، میں نے یہ جواب دیا، اس نے یہ کہا تو میں نے یوں کہا۔ اب خدا یاد نہیں آ رہا، اب میں، میں نے یہ جواب دیا، میں نے یوں کہا، میں نے یہ کیا۔ دیکھا! نعمت ملی تو اب میں آ گئی۔ جب چھن گئی تھی، اب خدا یاد آیا کہ یہ اللہ کی مرضی۔ جب نوکری ملی تو پھر بھی تو اللہ کی مرضی تھی دیکھو یہ انسان کی فطرت ہے۔ اسی لیے انگریزی میں ایک فقرہ کہتے ہیں:

Allah gives and forgives

''اللہ دیتا بھی ہے معاف بھی کر دیتا ہے۔''

Man gets and forgets

''بندہ لیتا بھی ہے بھول بھی جاتا ہے۔''

یہ فطرت ہے بندے کی۔ تو نعمت کی زینت اس میں ہے کہ انسان اس نعمت کا شکر ادا کرے۔

الحمد للہ کے لفظ کی کثرت:

''الحمد للہ'' کا لفظ جس نے کہہ دیا گویا اس نے اپنے مالک کا شکر ادا کر لیا۔ اس لفظ کو اپنی گفتگو میں کثرت سے استعمال کیا کریں، ایک عام تجربہ یہ ہے کہ ہم عام لوگوں کے ہاں ان الفاظ کا استعمال بہت کم ہے۔ بات کرتے ہوئے الحمد للہ اللہ نے

ایسے کر دیا، الحمد للہ یہ ہوا، الحمد للہ اس لفظ کو اپنی روز مرہ کی گفتگو میں زیادہ استعمال کریں۔ میں نے الحمد للہ کھانا کھایا، اللہ نے دیا تو کھایا۔ میں الحمد للہ وقت پر پہنچ گیا اللہ۔ نے پہنچایا نا! ایکسیڈنٹ ہوتا بیمار کر دیتے راستے میں کوئی پیٹ خراب ہوتا کوئی مصیبت ہوتی تو کیا بنتا؟ تو الحمد للہ کا لفظ ہم سب کو اپنی گفتگو میں زیادہ استعمال کرنا چاہیے تاکہ بار بار اللہ کی تعریف زبان سے ادا ہو تو نعمت کی زینت شکر ادا کرنا ہے اور جہاں کہیں اللہ کی شکر ادا کرنے کا موقعہ آئے دل کھول کر شکر ادا کیا کریں۔

بس گزارا ہے:

ایک تجربہ ہے: ایک صاحب کو میں جانتا ہوں کہ اتنا اللہ نے اسے مال دیا ہے کہ اگر وہ اپنے گھر کے علاوہ چالیس گھروں کا بوجھ اپنے اور سر پر اٹھانا چاہے تو اسے پتہ ہی نہ چلے، اتنا مال ہے۔ ایک دفعہ پوچھا: سنائیں کام کاروبار کیسا ہے؟ تو منہ بنا کر کہتا ہے کہ گزارا ہے، اللہ اکبر کبیرا۔ میں نے کہا: یا اللہ! جس بندے کو آپ نے اتنا دیا کہ وہ چالیس گھروں کا بوجھ آرام سے اٹھا سکتا ہے، اس سے پوچھا گیا کہ کیا حال ہے؟ کہتا ہے: گزارا ہے۔ اس کو تو چاہیے تھا کہ آگے سے یوں جواب دیتا کہ میں اپنے اللہ پر قربان جاؤں، اس نے مجھے میری اوقات سے بہت بڑھ کے عطا کیا ہے۔ میں تو ساری زندگی سجدے میں سر جھکا کر پڑا رہوں میں اپنے مولیٰ کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔ مگر شکر ادا کرتے ہوئے زبان چھوٹی ہو جاتی ہے۔ شکوے کرتے ہوئے زبان لمبی اور شکر ادا کرتے ہوئے زبان چھوٹی۔

نعمتوں کی قدر:

تو عقل مند انسان وہ ہے جو اللہ کا شکر خوب دل کھول کر ادا کرے۔ غور کیجیے کہ ہم

جیسے ناقدروں کو اللہ نے نعمتیں بن مانگے دی ہوئی ہیں۔ اللہ تیرا کرم، تیرا احسان کہ تم نے ہم جیسے ناقدروں کو بن مانگے نعمتیں عطا فرمادیں۔ تو نعمت کی قدر یا نعمت کی زینت کس میں ہے شکر ادا کرنے میں۔ جتنا نعمت کا شکر زیادہ کریں گے اتنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے لگیں گے فرمایا:

﴿اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (سبا:۱۳)

''میرے بندوں میں تھوڑے میرا شکر ادا کرتے ہیں''

اللہ تعالیٰ قدردان ہیں، ہم انسان ناقدرے ہیں، اللہ تعالیٰ جیسی ذات کو قرآن مجید میں فرمانا پڑا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ (الانعام:۹۲)

''ہم نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی''

تو ہم ناقدرے ہیں، ہم قدر نہیں کرتے۔ قدر کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: پانچ نعمتیں ہیں ان کی قدر کرلو پانچ چیزوں سے پہلے۔

☆ زندگی کی قدر کرو موت سے پہلے۔

☆ صحت کی قدر کرو بیماری سے پہلے۔

☆ وقت کی قدر کرو مشغولی سے پہلے۔

☆ جوانی کی قدر کرو بڑھاپے سے پہلے۔

☆ اور مال کی قدر کرو غربت سے پہلے۔

چنانچہ ذکر کرنے والا دل اور شکر ادا کرنے والی زبان یہ اللہ رب العزت کا بڑا

انعام ہے۔ ہم دونوں نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، ذکر کرنے والا دل اور شکر کرنے والی زبان۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جس بندے کو پانچ نعمتیں مل گئی وہ سمجھے کہ دنیا کی سب نعمتیں مل گئیں:

(۱) ذکر کرنے والا دل۔

(۲) شکرادا کرنے والی زبان۔

(۳) مشقت اٹھانے والا بدن۔

(۴) نیک بیوی۔

(۵) اور بدن کی تندرستی۔

وہ فرماتے تھے یہ پانچ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

شکرادا کرنے کے دوطریقے:

شکر جو ہے اس کے ادا کرنے کے دوطریقے ہیں: ایک تو یہ کہ انسان زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے۔ الحمد للہ کہے، اللہ تعالیٰ کی تعریفیں کرے، یہ بھی شکر کا ادا کرنا ہے اور اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنے محسن کی نافرمانی سے حیا کرے، شرمائے۔ تو لہٰذا اصل شکرادا کرنے والا وہ ہے جو نعمتیں پائے، تو اللہ کی نافرمانی سے باز آئے، اپنے مولیٰ کے حکم کی نافرمانی نہ کریں۔ اس کا شکر ادا کریں اور جتنا شکر زیادہ ادا کرے گا، اتنی نعمتیں زیادہ ہوں گی، فرمایا:

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ (ابراھیم:۷)

اگر تم نعمتوں کا شکرادا کرو گے ہم اپنی نعمتوں کو اور زیادہ کردیں گے۔

﴿۲﴾ بلا کی زینت صبر میں ہے

دوسری بات کہ بلا کی زینت صبر میں ہے۔ انسان کے اوپر مصیبت پریشانی بلا آجاتی ہے تو اس کی زینت یہ ہے کہ انسان صبر کرے۔ خوشی بھی اللہ کی طرف سے اور تکلیف بھی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ تو اگر ہم خوشی میں خوش ہوتے ہیں تو اگر اللہ کی طرف سے کوئی مشکل معاملہ آجائے تو صبر بھی کر لیا کریں۔

ایاز کا صبر:

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک غلام تھا ان پڑھ تھا لیکن بہت سمجھدار تھا۔ ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے پھل کاٹا اور سب کو کھلایا، ہر ایک نے کہا یہ تو بہت کڑوا ہے، سب نے تھوتھو کر دیا لیکن ایاز کو دیکھا تو کھائے جا رہا تھا۔ تو سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: ایاز جو کاش تمہیں ملی، یہ کڑوی نہیں؟ اس نے کہا کہ کڑوی تو ہے۔ تم کھاتے جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت میں نے یہ سوچا کہ پوری زندگی جن ہاتھوں سے میں میٹھی چیزیں لے کر کھاتا رہا آج کڑوی بھی مل گئی تو واپس کیسے کروں؟

تو ہم بھی یہی سوچا کریں کہ جس پروردگار نے اتنی نعمتیں ہمیں دیں، اتنی نعمتیں اتنی خوشیاں دیں اگر کہیں غم بھی کوئی آگیا تو اسے بھی برداشت کر لیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَسْتَسْلِمْ بِقَضَائِيْ

جو میری قضا کو تسلیم نہیں کرتا

وَلَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِيْ

اور میری بلا پر صبر نہیں کرتا

فَلْيَتَّخِذْ رَبًّا سِوَائِیْ

میرے سوا کسی اور کو اپنا رب بنا لے

تو ہم بلا کے آنے پر صبر کریں۔

بے صبری پر بلا نہیں ٹلتی:

اچھا ایک بات سنیے بلا آنے پر جب ہم بے صبری کا اظہار کرتے ہیں تو بلا ٹل تو نہیں جاتی، ہوتا کیا ہے؟ اس صبر پر ملنے والا جو اجر تھا، وہ ضائع ہو جاتا ہے، بلا تو نہیں ٹلتی۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ بلا آنے کے تیسرے دن بعد انسان جو کرتا ہے، اسے چاہیے کہ پہلے دن بھی وہی کرلے۔ کیا مطلب؟ بیٹا فوت ہو گیا تو تیسرے دن تو انسان صبر کر کے اٹھ جاتا ہے، تیسرے دن تو کام میں لگ جاتا ہے۔ دعائے خیر کی چلو جی ختم۔ تو تیسرے دن جو کام کرنا تھا وہ پہلے دن کرلو تاکہ اس مصیبت پر اجر تو مل جائے۔ اس لیے اللہ کو صبر کرنے والے پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرۃ:۱۵۳)

''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں''

تو ہم اپنے اندر صبر پیدا کریں لوگوں پر دنیا میں کیا کیا تکلیفیں آئیں اور انہوں نے کیا کیا، صبر کیا۔ ہماری تکلیفیں تو ان کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

ایک عورت کا انوکھا صبر:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا، ایک عورت کو دیکھا کہ وہ کہہ رہی تھی: اللہ! میں اس حال میں بھی میں آپ سے راضی ہوں۔ بار بار یہ الفاظ کہہ رہی

تھی: اے اللہ! میں اس حال میں بھی آپ سے راضی ہوں۔ کہنے لگے کہ مجھے حیرانی ہوئی جب اس عورت نے طواف مکمل کیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اللہ کی بندی! تیرے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ تو جو بار بار کہہ رہی ہے کہ اللہ! اس حال میں بھی تجھ سے راضی ہوں۔ وہ کہنے لگی کہ میں تین بیٹوں کی ماں گھر میں روٹیاں پکا رہی تھی، چھوٹا بیٹا میرے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اچانک میں نے کمرے سے آواز سنی چیخنے چلانے کی، میں دوڑ کے وہاں گئی تو میں نے دیکھا کہ میرے بڑے بیٹے نے میرے چھوٹے درمیانے بیٹے کو ذبح کر دیا تھا۔ اور ذبح کیوں کیا؟ ایک دن پہلے میرے خاوند نے بکری کو ذبح کیا تھا اور وہ چھری کہیں پڑی ہوئی تھی، تو دونوں بھائیوں نے اسے دیکھا تو بڑا کہنے لگا کہ دیکھا: ابو نے اس چھری سے بکری کو ذبح کیا تھا، چھوٹے نے کہا: اچھا !اس نے کہا: میں تمہیں بتاؤں کہ کیسے کیا تھا؟ اس نے کہا: بتاؤ! تو چھوٹا لیٹ گیا اور بڑے کو سمجھ ہی نہیں تھی کہ چھری چلانے سے ہوگا کیا؟ اس نے چھری چلا دی۔ جب گردن کٹی اور خون کا فوارا چھوٹا تو پریشان ہوا کہ یہ کیا بنا؟ کہنے لگی کہ جب میں وہاں پہنچی تو میرا درمیانہ بیٹا خون کے اندر لت پت ہو چکا تھا، بکرے کی طرح ذبح ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی لاش کو ہاتھوں میں اٹھایا اور صحن میں لا کر ایک چارپائی پر ڈال دیا۔

اب میں نے سوچا کہ میرا بڑا بیٹا کہاں گیا؟ کیونکہ وہ کہیں بھاگ گیا تھا۔ اس منظر کے بعد اس کو ڈھونڈنے لگی تو میں نے دیکھا کہ صحن کے اندر جو لکڑیاں پڑی ہوئی تھیں جو میں نے جلانے کے لیے رکھی تھیں وہ ان لکڑیوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ جب میں نے ان کے پیچھے دیکھا تو وہاں ایک سانپ تھا جس نے میرے اس بیٹے کو کاٹا تو میرا بیٹا وہاں مرا پڑا تھا۔ میں اس بیٹے کی بھی لاش لائی اور پہلے بیٹے کے ساتھ

اس کو لٹا دیا۔

اب میں نے دیکھا کہ میرا تیسرا بیٹا نظر نہیں آ رہا، جو چھوٹا رینگنے والا تھا، کراؤلنگ کرنے والا۔ کہتے ہیں کہ میں واپس اپنے تنور کی طرف آئی تو میں نے دیکھا کہ میرا بیٹا تندور کے اندر گر چکا تھا، میں نے اس کی جلی ہوئی لاش نکالی اور تینوں لاشوں کو ایک جگہ لٹایا پھر ان کو نہلایا کفنایا اور ان کو دفنایا اور اس دفن کرنے بعد میں طواف کرنے آ گئی اور میں کہہ رہی ہوں کہ اللہ میں اس حال میں بھی تجھ سے راضی ہوں۔ سوچیں ذرا کہ لوگوں پر کیا کیا مصیبت گزری۔

بہادر شاہ ظفر کا غم:

بہادر شاہ ظفر کو جب فرنگیوں نے قید کیا تو اس کے بارہ بیٹے تھے۔ تو اس کو انہوں نے کہا کہ جی ہم آپ کی دعوت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اسے کھانے کے دستر خوان پر لے گئے تو دستر خوان میں سبزی پھل سب رکھے ہوئے تھے۔ درمیان میں کچھ برتن ڈھکے ہوئے پڑے تھے جیسے سالن کے برتن ہوتے ہیں۔ ایک فرنگی نے اس کے سامنے ایک برتن کو کھولا تو اس کو اپنے ایک جوان بیٹے کا سر پڑا ہوا ملا، دوسرے برتن کو کھولا تو دوسرے کا سر۔ بارہ برتن اٹھائے گئے بارہ برتنوں میں اس کے بارہ بیٹوں کے سر پڑے ہوئے تھے۔ وہ باپ کیا ہوگا جس نے اپنے دل میں اس غم کو برداشت کیا ہو گا، اس موقعہ پر اس نے یہ اشعار کہے تھے۔

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں
نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آ سکے
میں وہ اک مشتِ غبار ہوں

میرا رنگ و روپ بدل گیا
میرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا
میں اسی کی فصل بہار ہوں

سوچیں لوگوں پر کیا کیا گزر رہا ہے اور ہم اپنے حال کو سوچیں، اے اللہ! ہمیں تو آپ نے اتنی سہولت میں، اتنی آسانیوں میں، اتنی خوشیوں میں رکھا کہ ہم آپ کا شکر ہی ادا نہ کر سکے۔ اور ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا ہو کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بلا مانگنی نہیں چاہیے، ہم عاجز بندے ہیں اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ بلاء کو مانگنا نہیں چاہیے ہاں آ جائے تو صبر کرنا چاہیے۔ یہی سوچ کر کہ اللہ کی مرضی یونہی تھی۔

داؤد علیہ السلام کی طرف وحی:

کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام پر اللہ رب العزت نے یہ وحی نازل فرمائی تھی۔ اے داؤد! اگر تمہیں کبھی کھانے میں کوئی جلی ہوئی سبزی ملے تو سبزی کو نہ دیکھنا اس بات کو سوچنا کہ جب میں نے رزق کو تقسیم کیا تو تو مجھے یاد تھا۔ تبھی تو میں نے تیری طرف بھیجا رزق۔ بھیجا کیا ہے؟ اس کو مت سوچو! تو نعمت کی زینت شکر ادا کرنے میں اور بلاء کی زینت صبر کرنے میں ہے۔

﴿۳﴾ علم کی زینت حلم میں ہے

تیسری چیز ہے جتنا علم بڑھے اتنا حلم بڑھنا چاہیے۔ اللہ رب العزت نے ان دونوں صفتوں کو علم اور حلم کو قرآن مجید میں ایک آیت میں جمع کیا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾ (الاحزاب:۵۱)

ایک صفت ایک آیت میں اس کو جمع فرما دیا۔ ہم لوگوں کے ساتھ حلم سے کیوں پیش آتے ہیں؟ اس لیے کہ ہمیں ان کے اندر کا پتہ نہیں ہوتا۔ کبھی پتہ ہوتا کہ اندر کیا تھا تو شاید ہمارے لیے حلم مشکل ہو جائے۔ قربان جائیں اس پروردگار پر کہ جب بندے کے ذہن میں گناہ کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اللہ اس کو بھی جانتے ہیں، جب وہ گناہ کی پلاننگ کرتا ہے اللہ اس کو بھی جانتے ہیں، جب وہ گناہ کر رہا ہوتا ہے اللہ اس کو بھی دیکھتے ہیں، اور جب گناہ کر چکتا ہے اللہ اس کو بھی جانتے ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حلم کا معاملہ فرماتے ہیں۔ اتنا علم اور اس کے بعد اتنا حلم۔ سبحان اللہ یہ میرے مالک کی شان ہے۔ ہمارا کوئی بچہ باپ کی نافرمانی کرے اور اگر پتہ چل جائے کہ اس نے یوں ہماری بات رد کی اور نہیں مانی تو ہم اِسے دروازے سے باہر دھکا بھی دیں گے اور پیچھے سے پیٹھ پر لات بھی ماریں گے، جا دفعہ ہو جا یہاں سے! اور دروازہ بند کر لیں گے۔ یا اللہ! ہم بھی تو گناہ کرتے ہیں، آپ اپنے در سے ہمیشہ کے لیے دھکا تو نہیں دیتے، آپ پیٹھ پر لات تو نہیں لگواتے، آپ اپنا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند تو نہیں کرتے۔ اللہ! میں آپ کے حلم پر قربان یہ آپ ہی کی شان ہے۔ اتنے علم کے بعد اتنا حلم۔

اللہ تعالیٰ کا حلم:

چنانچہ اللہ رب العزت کے حلم کا معاملہ دیکھیے کہ انسان گناہ کرتا ہے اللہ رب العزت اس بندے کا رزق بند نہیں فرماتے، آج خاوند ذرا سی بات پر ناراض ہوتا ہے بیوی کا خرچہ بند، بیٹے پہ ناراض ہوا بیٹے کا خرچہ بند، اللہ اکبر۔ بندہ گناہ کرتا ہے اللہ رزق بند نہیں کرتے۔ اور دوسری بات اللہ تعالیٰ اس بندے سے صحت نہیں چھینتے۔ یہ نہیں ہے کہ تم ایک مرتبہ بدنظری کی اب تمہاری آنکھ کی بنائی ختم، تم نے غیبت کی اب

تمہاری زبان بند، تم نے زنا کیا اب تمہاری مردانوی قوت ختم، ایسا تو نہیں ہوتا۔ انسان گناہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی صحت کو نہیں چھینتے اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے رسوا بھی نہیں فرماتے، فوراً ستر پوشی فرماتے ہیں۔ یہ اللہ کا حلم ہے ورنہ تو بنی اسرائیل کی طرح دروازوں پر لکھ دیا جاتا کہ تم نے یہ یہ کیا ہے۔ مگر اللہ کی شان دیکھیے اس امت کے ساتھ اللہ کی کیا کیا خصوصیتیں ہیں کہ انسان گناہ کرتا ہے، اللہ اس کی پردہ پوشی فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت گناہ پر رزق بند نہیں کرتے، صحت نہیں چھینتے، ستر پوشی فرمادیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ گناہ پر فوری سزا نہیں دے دیتے، یہ حلم ہے اللہ کا ورنہ فوراً سزا مل سکتی تھی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حلم:

نبی علیہ السلام بڑے حلیم الطبع تھے، تاریخِ انسانیت میں اتنا حلم کہیں نہیں دیکھا گیا جو حلم اللہ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو عطا کیا تھا۔ ہر ایک کے ساتھ حلم کا معاملہ۔

بیویوں کے ساتھ حلم کا معاملہ:

حلم کہتے ہیں کہ انسان ناراض ہونے میں غصہ کرنے میں جلد بازی نہ کرے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام سے کبھی اگر بیویوں میں سے کوئی بیوی کوئی نازکی بات کر لیتی تھی تو آپ ﷺ درگزر فرمادیتے تھے۔

☆...... چنانچہ ایک مرتبہ ازواجِ مطہرات میں سے ایک نے اچھا کھانا بنایا اور نبی علیہ السلام کی دوسرے گھر میں رہنے کی رات تھی، تو انہوں نے غلام کو بلایا اور کہا بھئی یہ کھانا لے جاؤ اور نبی علیہ السلام کو پیش کردو۔ وہ غلام پلیٹ میں کھانا لے کر وہاں گیا اور جب نبی علیہ السلام کو دینے لگا کہ جی آپ کی فلاں اہلیہ نے یہ کھانا بھیجا ہے تو جو ام المومنین

وہاں تھیں ان کو غیرت آئی کہ باری میرے گھر کی ہے تو میرا کھانا کیوں نہ کھائیں؟ انہوں نے جو پلیٹ پر ہاتھ مارا تو پلیٹ سے کھانا گر گیا، پیالہ ٹوٹ گیا۔ نبی علیہ السلام نے وہاں بیٹھ کر خود وہ پیالہ اٹھایا اور کھانا پھر اٹھا کر دوسرے برتن میں خود ڈالا اور اس کے ٹوٹے ہوئے کے بدلے دوسرا پیالہ ان کو بھیجا اور اس کو فرمایا کہ تمہاری ماں کو غیرت آ گئی تھی۔ اتنا کہا:

((غَیَّرَ اُمُّکُمْ))

''تمہاری ماں کو غیرت آ گئی تھی۔

ہم ہوتے تو طلاق دینے کے لیے تیار ہو جاتے اور نبی علیہ السلام کا عمل یہ ہے۔

☆......سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام سے کسی بات پر گفتگو فرما رہی تھیں، اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف آئے اور چونکہ والد تھے وہ گھر میں آ گئے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکر ہمارے درمیان ایک بات کا فیصلہ کر دو! انہوں نے کہا کہ جی بہت اچھا۔ تو اب ہوا یہ کہ بات کون بتائے؟ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بھئی! میں بتاتا ہوں۔ تو ام المؤمنین نے آگے سے کہہ دیا کہ ہاں صحیح صحیح بات بتائیں۔ انسان کی فطرت ہے بات کر جاتا ہے روانی میں۔ وہ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے، عاشق تھے۔ اللہ اکبر جب انہوں نے یہ الفاظ سنے تو انہوں نے بیٹی کے ایک تھپڑ لگایا اور کہا: تیری ماں روئے کیا نبی علیہ السلام صحیح نہیں بتائیں گے؟ جب تھپڑ پڑا تو وہ نبی علیہ السلام کے پیچھے آ کر چھپ گئیں کہ دوسرا نہ لگ جائے۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکر! ہم نے آپ کو بات کا فیصلہ کرنے لیے کہا تھا تھپڑ لگانے کے لیے تو نہیں کہا تھا۔ اچھا آپ اپنے گھر جائیں ہم اپنا فیصلہ خود کر لیں گے۔ وہ چلے گئے تو نبی علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا اور فرمایا: دیکھو! دوسرے تھپڑ سے

تجھے میں نے بچایا نا۔ سبحان اللہ یہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم ہے۔

جوانوں کے ساتھ حلم:

☆......ایک نوجوان آیا اور آ کے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا: اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔ اب ذرا غور کرو! ایک کبیرہ گناہ جس کے بارے میں قرآن نے اتنی وضاحت سے کہا: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا تم اس کے قریب ہی نہ جاؤ اور وہ آ کر کہتا ہے کہ جی مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔ تو اب کوئی چھوٹے دل والا ہوتا تو وہ تو جوتا اٹھا کے سر میں مارتا کہ تم بات کیا کر رہے ہو میرے سامنے؟ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں کہا، اتنا پوچھا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہاری والدہ سے کوئی یہ عمل کرے؟ نہیں، بیٹی سے؟ نہیں، بہن سے؟ نہیں، بیوی سے؟ نہیں۔ بھئی! تم جس سے بھی زنا کرو گے وہ کسی کی ماں ہوگی، کسی کی بیٹی ہوگی، کسی کی بیوی ہوگی، کسی کی بہن ہوگی، تم پسند نہیں کرتے تو بھئی لوگ بھی پسند نہیں کرتے۔ سمجھایا اور سمجھانے کے بعد نبی علیہ السلام نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے سینے میں ایسی ٹھنڈک پڑ گئی کہ جتنی نفرت مجھے زنا سے ہوگئی کسی گناہ سے اتنی نفرت نہیں تھی۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم دیکھیے۔

☆......ایک نوجوان صحابی تھے، جوان العمر لڑکے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ جس کھجور کو پسند کرتے تھے تو اس درخت پر چڑھ جاتے اور کھجور کے خوشے توڑ کر کھاتے تھے۔ ایک دن ان کو کسی بندے نے پکڑ لیا اور ان کو نبی علیہ السلام کے پاس لے آیا۔ وہ نوجوان کہتے ہیں کہ پہلے تو میں بڑا ڈرا کہ آج پتہ نہیں میرے ہاتھ کٹیں گے یا کیا ہوگا میرے ساتھ؟ میں بڑا گھبرایا، جیسے جیسے وہ مجھے نبی علیہ السلام کے قریب لا رہا تھا، میرے بدن سے پسینے چھوٹ رہے تھے، خوف تھا میرے اوپر۔ اس نے آ کے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ

نوجوان بلا اجازت میری کھجور کا پھل توڑتا ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے مجھے پیار سے قریب بلایا۔ حلم دیکھیے! فوراً غصہ نہیں کیا، لعن طعن نہیں کی، ملامت نہیں کی، پوچھا: تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ جی مجھے بھوک لگی ہوتی ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے پہلے مجھے مسئلہ سمجھایا، فرمایا کہ دیکھو! جو کھجوریں نیچے گری ہوتی ہیں اس میں اذن عام ہوتا ہے، وہ بیشک اٹھا کر کھا لیا کرو۔ جو درخت پر لگی ہوتی ہیں، وہ مالک کی اجازت کے بغیر نہیں لے سکتے۔ اس میں مالک کی اجازت ضروری ہوتی ہے۔ تو جب مجھے مسئلہ سمجھایا تو فرماتے ہیں اس کے بعد نبی علیہ السلام نے مجھے دعا دی: اے اللہ! اس کے رزق کو وسیع کر دے اور اس کی بھوک کو مٹا دے۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ ایسی ٹھنڈک میرے دل میں پڑی کہ اس کے بعد میں نے کبھی کسی کی چیز کو بلا اجازت استعمال نہیں کیا۔ یہ میرے آقا کا جوانوں کے ساتھ حلم ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بوڑھوں کے ساتھ حلم:

ایک مہمان آیا، اس کو قضائے حاجت کی ضرورت تھی۔ تو وہ مسجد نبوی کے صحن میں ایک طرف بیٹھ کر پیشاب کرنے لگ گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو کہنے لگے کیا کر رہے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ نبی علیہ السلام نے سب کو منع کر دیا۔ میرے آقا کا حلم دیکھیے، اگر اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ڈانٹ دیتے اور وہ کھڑا ہو جاتا تو پیشاب روک تو نہیں سکتا تھا، کپڑے بھی ناپاک ہوتے جسم بھی ناپاک ہوتا اور ناپاکی مسجد میں زیادہ پھیل جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار فرمایا، جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھو! مسجد اللہ کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ عظمت والے ہیں، اس کے گھر کو پاک صاف رکھنا چاہیے۔ جب یہ سمجھایا تو وہ کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں آج کے بعد کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

منافقین کے ساتھ حلم:

اور تو اور منافقین کے ساتھ بھی حلم کا معاملہ۔ جن کے نام اللہ نے بتا دیے کہ یہ دوغلے ہیں، یہ دورنگے ہیں، یہ اندر سے بیمار ہیں، یہ اوپر اوپر سے ایمان والے بنے پھرتے ہیں، یہ منافق ہیں، نام تک بتا دیے۔ اللہ کے حبیب ﷺ کے برتاؤ میں فرق نہیں آیا۔ حیران ہوتے ہیں، ہمیں اگر شک بھی ہو جائے کسی کے بارے میں کہ یہ ہمارے ساتھ ٹھیک نہیں فوراً ہمارا رویہ بدل جاتا ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ کا حلم دیکھیے کہ پروردگارِ عالم جن کے نام بتا رہے ہیں کہ یہ دورنگے، دوغلے، منافق لوگ ہیں۔ اللہ کے حبیب ﷺ ان کے ساتھ بھی حسن معاملہ کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی حلم کا معاملہ، ان کی باتیں بھی سن رہے ہیں۔ بلکہ عبداللہ ابن اُبی کے ساتھ اللہ کے حبیب ﷺ نے جو معاملہ کیا وہ تو سن کے حیرانی ہو جاتی ہے۔ بات لمبی ہو جائے گی اس واقعے کو آپ جانتے ہوں گے جو طلبا نہیں جانتے وہ اپنے اساتذہ سے معلوم کر لیں۔

کفار کیساتھ حلم:

مہمانوں کے ساتھ حلم کی انتہا۔ چنانچہ ایک یہودی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس مہمان آیا۔ آپ ﷺ نے اسے ٹھہرایا، کتابوں میں لکھا ہے کہ اس نے اتنا کھایا، اتنا کھایا، کہ رات بستر پر اس کا پاخانہ نکل گیا۔ سارا بستر گندا، بدبو آ رہی ہے، تو وہ شرم کے مارے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ صبح کے وقت اس کو خیال آیا کہ اس کی کوئی چیز وہاں کمرے میں ہی رہ گئی ہے۔ وہ راستے میں کہیں نہایا دھویا، کپڑے دھوئے، اب شرمندہ واپس آیا کہ میں چیز تو لے لوں۔ یہودی کہتا ہے کہ جب میں واپس آیا تو میں حیران کہ اللہ کے نبی ﷺ اپنے مبارک ہاتھوں سے بستر کو دھو رہے تھے، مہمان کا

بستر خود دھو رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر اس یہودی نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

نبوت کی نشانی:

چنانچہ ایک حدیث مبارکہ آپ ذرا سنیے! ہم طلبا کے آنکھیں کھولنے کے لیے یہ حدیث مبارکہ کافی ہے۔ سمجھ رہے ہیں: یہودیوں کے ایک عالم تھے ان کا نام تھا زید بن صانع۔

((اَحَدُ اَحْبَارِ یَھُوْدَ وَ مِنْ اَکْثَرِ ھِمْ مَالًا))

''یہود کے علما میں سے ایک بڑے عالم تھے اور ان کے پاس مال پیسا بھی بڑا تھا۔''

((اَسْلَمَ وَ حَسُنَ اِسْلَامُہٗ وَ شَھِدَ مَعَ النَّبِیِّ مُشَاھَدًا کَثِیْرًا))

''اس نے اسلام قبول کیا اور اعلیٰ اسلام قبول کیا اور نبی علیہ السلام کے ساتھ کئی غزوات میں انہوں نے حصہ بھی لیا''

((وَتُوُفِّیَ فِیْ غَزْوَۃِ تَبُوْکَ مُقْبِلًا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ))

'' تو غزوہ تبوک سے جب مدینہ کی طرف واپس آرہے تھے تو وہاں ان کی وفات ہوئی''

یہ ان کا واقعہ ہے۔ اس واقعے کو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ زید بن صانع کہتے ہیں:

((لَمْ یَبْقٰی مِنْ عَلَامَاتِ النُّبُوَّۃِ شَیْءٌ اِلَّا وَ قَدْ عَرَفْتُہٗ فِیْ وَجْہِ مُحَمَّدٍ حِیْنَ نَظَرْتُ اِلَیْہِ اِلَّا اثْنَتَیْنِ))

''کہ میں نے جب نبی علیہ السلام کا چہرہ دیکھا تو میں نے نبوت کی تمام علامات کو ان میں پا لیا سوائے دو باتوں کے''

((لَمْ اُخْبَرْ هُمَا مِنْهُ))

''دونشانیاں ایسی تھیں جن کا مجھے پتہ نہ چلا''

ان میں سے پہلی نشانی

((یَسْبِقُ حِلْمُهٗ غَضَبَهٗ))

''ان کا حلم ان کے غضب پر سبقت کرے گا''

یعنی غضب پر ان کا حلم زیادہ ہوگا۔

((وَلَا یَزِیْدُهٗ عَلَیْهِ شِدَّةُ الْجَهْلِ عَلَیْهِ اِلَّا حِلْمًا))

''اور دوسری نشانی یہ کہ جتنا ان کے ساتھ جہالت کا معاملہ کروگے، اتنا ان کا حلم اور بڑھتا جائے گا۔''

یہ دونشانیاں ایسی تھی کہ مجھے ان دونشانیوں کا پتہ نہ چلا، اس کے علاوہ نبوت کی سب نشانیاں میں نے پالیں۔

((فَکُنْتُ اَتَلَطَّفُ لَهٗ کَیْ اَنْ اُخَالِطَهٗ))

''وہ کہنے لگے کہ میں ان کے قریب قریب ہورہا تھا تا کہ ان سے بات کرنے کا موقعہ ملے''

کوئی معاملہ کرنے کا موقعہ ملے تو پھر مجھے پتہ چلے کہ کیا ان کا حلم ان کے غضب پر سبقت رکھتا ہے کہ نہیں میں موقعہ کی تلاش میں تھا۔

((فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ یَوْمًا مِنَ الْاَیَّامِ مِنَ الْحُجُرَاتِ))

''ایک دن نبی علیہ السلام اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے۔''

((وَ مَعَهٗ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ))

''اور علی ابن طالب رضی اللہ عنہ ساتھ تھے''

((فَاَتَاہُ رَجُلٌ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ کَالْبَدَوِیِّ))

''ایک بندہ سواری پر سوار خدمت میں حاضر ہوا، جیسے بدو ہوتا ہے، دیہاتی بندہ ہوتا ہے''

((فَقَالَ اِنَّ قَرْیَۃَ بَنِیْ فُلَانٍ قَدْ اَسْلَمُوْا))

''وہ دیہاتی کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! فلاں بستی کے لوگ اسلام لائے''

قَدْ اَصَابَتْھُمْ سَنَۃٌ وَ شِدَّۃٌ))

''اور ان لوگوں کو تنگی اور قحط آ گیا''

یعنی وہ قحط سالی کا شکار ہو گئے۔

((وَاِنْ رَأَیْتَ اَنْ تُرْسِلَ اِلَیْھِمْ بِشَیْءٍ تُعِیْنُھُمْ))

''اگر آپ چاہیں کہ ان کی مدد کریں کسی چیز کے ساتھ تو آپ مجھے دے دیں میں ان تک پہنچا دوں گا''

وہ اس وقت بڑی مشکل حال میں ہیں۔

((فَلَمْ یَقُمْ مَعَہٗ شَیْءٌ))

''نبی علیہ السلام کے پاس دینے کو کوئی چیز نہیں تھی''

((قَالَ زَیْدٌ فَدَنَوْتُ مِنْہُ فَقُلْتُ))

''زید نے یہ کہا کہ میں قریب ہوا اور کہا''

((یا محمد ﷺ! اِنْ رَأَیْتَ اَنْ تَبِیْعَنِیْ تَمْرًا مَعْلُوْمًا مِنْ حَائِطِ بَنِیْ فُلَانٍ اِلٰی اَجَلٍ کَذَا وَ کَذَا))

'' اے محمد ﷺ! کیا آپ فلاں باغ کی اتنی کھجوریں مجھے بیچنے کے لیے تیار ہیں تو میں آپ کو ایڈوانس پے منٹ کر دوں گا''

میں تو موقعہ کی تلاش میں تھا جب میں نے یہ کہا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((فَقَالَ لَا یَا اَخَا یَهُوْدٍ))

''اے یہود کے بھائی! نہیں''

((وَلٰکِنْ اَبِیْعُكَ تَمْرًا مَعْلُوْمًا اِلٰی اَجَلٍ کَذَا وَ کَذَا وَلَا اُسَمِّیْ حَائِطَ بَنِیْ فُلَانٍ))

''ہاں میں تجھے کھجوریں بیچتا ہوں، مگر باغ کی تخصیص نہ کرو، کھجوریں دوں گا اور اتنی دوں گا، فلاں وقت تک دوں گا''۔

یہ میری ڈیل ہوگئی، ساتھ سودا ہوگیا۔

((فَقُلْتُ: نَعَمْ فَبَایَعَنِیْ فَاَتَیْتُهٗ ثَمَانِیْنَ دِیْنَارًا))

''میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ سودا کرلیا اور میں ان کو اسی دینار دے دیے''

((فَاَعْطَاهُ الرَّجُلَ))

''نبی علیہ السلام نے وہ پیسے اس بندے کو دے دیے''

کہ بھئی اس بستی والوں کو یہ پیسے دے دینا۔ یہ امداد ہے میری طرف سے۔

((فَقَالَ زَیْدٌ فَلَمَّا کَانَ قَبْلَ مَحَلِّ الْاَجَلِ یَوْمَیْنِ بِیَوْمَیْنِ اَوْ ثَلٰثَةٍ))

''زید کہتے ہیں کہ وہ جو مدت تھی نا (ڈیڈ لائن تھی کہ فلاں تاریخ تک میں آپ کو کھجوریں دے دوں گا) اس میں ابھی دو یا تین دن رہتے تھے''

((فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِیْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ))

''نبی علیہ السلام انصار کے کسی بندے کے جنازے میں تشریف لائے''

((وَ مَعَهٗ اَبُوْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ فِیْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ))

''ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ یہ سب صحابہ ساتھ تھے''

((فَلَمَّا صَلّٰی عَلَی الْجَنَازَةِ اَتَیْتُهٗ))

''جب نبی علیہ السلام نے جنازہ پڑھ لیا۔ تو میں آیا''

((فَاَخَذْتُ بِجَامِعِ قَمِیْصِهٖ وَ رِدَائِهٖ وَ نَظَرْتُ اِلَیْهِ بِوَجْهٍ غَیْظٍ))

''میں نے نبی علیہ السلام کے کرتے اور تہبند کے اکٹھے ہونے کی جو جگہ تھی۔ میں نے آپ کے یہاں سے زور سے پکڑ لیا اور پکڑنے کے بعد میں بڑے غصے والے چہرے کے ساتھ ان کی طرف دیکھا''

بناوٹی غصہ، کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ Misbehave (غلط رویہ اختیار) کرے اور دیکھے کہ آگے سے Reaction (ردعمل) کیا ہوتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے بڑا غصے والا چہرہ بنا کے اور یوں پکڑ کے کہا:

((قُلْتُ: اَلَا تَقْضِیْ یَا مُحَمَّدُ حَقِّیْ))

''میں نے کہا: اے محمد ﷺ! آپ میرا حق کیوں ادا نہیں کرتے؟''

((وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُکُمْ یَا عَبْدُ الْمُطَّلِبِ))

''اللہ کی قسم اے عبد المطلب کی اولاد! میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ تم قرض ادا کرنے میں بڑے ہی سست لوگ ہو''

تو بات ہی نہیں کی خاندان کا بھی طعنہ دے دیا۔ آج کسی کو طعنہ تو دے کر دیکھو۔ اس نے خاندانی طعنہ بھی دے دیا، سب کو لپیٹ لیا۔ اب بتائیں! ایک تو پکڑا، ایک غصے سے دیکھا اور اوپر سے طعنہ دے کر کہا کہ آپ میرا حق کیوں نہیں ادا کرتے؟ اور عبد المطلب کی اولاد تم تو قرض کو ادا کرنے کے اندر بڑے ہی سست واقع ہوئے ہو۔ ابھی آخری تاریخ میں دو یا تین دن باقی تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ عمل کیا۔

((فَنَظَرْتُ اِلٰی عُمَرَ وَعَیْنَاهُ تَدُوْرَانِ فِیْ وَجْهِهٖ))

''میری نظر عمر رضی اللہ عنہ پر پڑی اور عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہیں میرے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں''

بھلا حضرت عمر رضی اللہ عنہ برداشت کر سکتے تھے کہ میرے آقا کے ساتھ یہ بدتمیزی کر رہا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہیں میرے اوپر ایسے تھیں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے جب مجھے اس طرح سے دیکھا۔

((ثُمَّ قَالَ اَیْ عَدُوَّاللّٰہِ))

''عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا: او اللہ کے دشمن!''

((أَتَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَا اَسْمَعُ))

''جو لفظ میں سن رہا ہوں یہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

((فَوَالَّذِیْ بَعَثَہٗ بِالْحَقِّ لَوْ لَا مَا اُحَاذِرُ فَوْتَہٗ لَضَرَبْتُ بِسَیْفِیْ رَأْسَکَ))

''اللہ کی قسم! جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر مجھے تیرا حق فوت ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیری گردن کو اڑا کے رکھ دیتا''

محبت کا حق ادا کر دیا، قربان جائیں ان پر سبحان اللہ!

((وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَنْظُرُ اِلٰی عُمَرَ فِیْ سُکُوْنٍ وَتَبَسُّمٍ))

'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہے ہیں کہ بڑے سکون سے اور تبسم اور مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہے تھے''

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ نہیں آیا۔ وہ غضب کی کیفیت میں نہیں آئے، مسکرا کے عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہے ہیں اور دیکھنے کہ بعد اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟

((ثُمَّ قَالَ یَا عُمَرُ! اَنَا وَ ھُوَ اِلٰی غَیْرِ ھٰذَا مِنْکَ اَحْوَجُ))

'' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اے عمر! میں اور یہ تمہارے دوسرے برتاؤ کے زیادہ

مستحق تھے"

کون سا برتاؤ؟

((اَنْ تَاْمُرَهٗ بِحُسْنِ الْاِقْتِضَاءِ وَ تَاْمُرَنِیْ بِحُسْنِ الْقَضَاءِ))

" تو اس سے یہ کہتا کہ بھئی سلیقے سے قرضہ مانگنا چاہیے اور مجھے کہتا کہ بھئی قرضہ وقت پر دے دینا چاہیے۔"

یعنی ہم دونوں تیرے اور سلوک کے مستحق تھے۔ تو اسے کہتا کہ بھئی مانگو تو ذرا اچھے انداز سے مانگو، بدتمیزی نہ کرو اور مجھے کہتا کہ اللہ کے حبیب ﷺ! قرضے کو وقت پر ادا کر دینا چاہیے۔ آپ یہ کہتے۔

((اِذْهَبْ يَا عُمَرُ فَاقْضِهٖ حَقًّا))

"اے عمر آپ جاؤ! اس کو اس کا حق ادا کر دو۔"

((زِدْهُ عِشْرِيْنَ صَاعًا مَكَانَ مَا رَوَّعْتَهٗ))

"اور اس کو بیس صاع کھجوریں زیادہ دینا کیونکہ تو نے اسے دھمکی دی ہے"

وہ جو ڈرایا ہے نا تو نے اس کی وجہ سے بیس ساع کھجوریں اس کو زیادہ دینا"

((قَالَ زَيْدٌ: فَذَهَبَ بِیْ عُمَرُ فَقَضَانِیْ وَ زَادَنِیْ))

" زید کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ گئے۔ انہوں نے کھجوروں کی مقدار جو دینی تھی وہ بھی دی اور جو بیس صاع زیادہ دینی تھیں وہ بھی دیں"

((فَاَسْلَمْتُ)) " پس میں اسلام قبول کر لیا"

(ابن حبان: ۲۸۸)

اس کو کہتے ہیں حلم۔ کیا آج ہمارے اندر حلم ہے؟ اگلے بندے کی منہ پہ بات پوری نہیں ہوتی ہم پہلے غصے میں آجاتے ہیں۔ ہم پہلے سے ہی آگے سے بولنا شروع

کر دیتے ہیں۔ اور ہم اس کو صفت بناتے پھرتے ہیں کہ جی میری طبیعت بڑی جلالی ہے۔ کبھی سوچا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ نے بھی جلال کا معاملہ کیا جلالی صاحب کے ساتھ تو کیا بنے گا؟ ہمیں اللہ معلم بنا دیتا ہے تو ہم متعلمین کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟ ارے استاد جی جلال والے ہیں، یہاں جلال کا لفظ اچھا لگ رہا ہے اور اگر اللہ نے جلال کا معاملہ کیا تو پھر کیا ہوگا؟ تو بھئی حلم کا معاملہ کرنا چاہیے، علم کے ساتھ حلم سجتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی بات پر بولنا چھوڑ دیتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور کہنے کو عالم ہوتے ہیں۔

یہی حلم ہمارے سب اکابر کی زندگیوں میں رہا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حلم:

ایک نوجوان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قریب رہتا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ جناب انہوں نے موسیقی کے خلاف یہ فتویٰ دیا ہے۔ اس کو بڑا غصہ آیا۔ وہ حضرت کے پیچھے آ گیا اور بڑی الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چلتے چلتے گھر کے قریب آ کر رک گئے۔ کہنے لگا: رک کیوں گئے؟ فرمانے لگے کہ تم نے جو غبار نکالنا ہے نکال لو، جب میں اندر چلا جاؤں گا تو تم بول نہیں سکو گے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا حلم:

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جوان کے شاگرد خاص تھے۔ وہ وقت کے چیف جسٹس بنے۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان کوئی مسئلہ پوچھنے آ گیا، اس نے آ کر کہا کہ ابو یوسف! اس مسئلے کا کیا جواب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''لَا اَدْرِی'' مجھے نہیں آتا۔ ہر مسئلے کا ہر وقت تو نہیں پتا ہوتا۔ تو یہ علم کی نشانی ہے کہ جو آگے سے کہے کہ ''لَا اَدْرِی'' تو جب

اس نے مسئلہ پوچھا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے آگے سے فرمایا کہ "لَا اَدْرِی" تو وہ نوجوان کہنے لگا کہ آپ کی تنخواہ آدھے بیت المال کے تو برابر ہے اور آپ آگے سے کہتے ہیں کہ "لَا اَدْرِی"۔ امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: بھئی یہ تنخواہ مجھے علم کی وجہ سے ملتی ہے، اگر میری جہالت کی وجہ سے ملتی تو پورے بیت المال سے زیادہ ہوتی۔ اس کو حلم کہتے ہیں۔ تو علم کی زینت حلم میں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حلم:

ہمارے اکابر علمائے دیوبند کو بھی اللہ نے یہ شان عطا کی تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ گئے۔ بیان تھا اور وہاں کچھ بدعتی لوگ بھی تھے۔ انہیں میں سے ایک نے حضرت کو تقریر کرنے سے پہلے رقعہ لکھ دیا اور اس نے تین باتیں کیں۔

☆ پہلی بات کہ تم کافر ہو۔

☆ دوسری بات کہ تم حرام زادے ہو۔

☆ اور تیسری بات لکھی کہ ذرا سنبھل کے بات کرنا۔

تو اب اگر کوئی ہم جیسا ہوتا یا تو تقریر چھوڑ دیتا یا ساری تقریر ان کے خلاف ہی کرتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو وہ چٹ ملی تو حضرت نے مجمعے کو وہ پڑھ کے سنائی کہ دیکھو بھئی! اس میں کسی نے لکھا ہے کہ تم کافر ہو۔ اچھا بھئی! میں کلمہ پڑھ کر سب کے سامنے مسلمان ہو رہا ہوں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ پھر فرمایا کہ اس نے لکھا ہے کہ تم حرامی ہو، حرام زادے ہو۔ تو بھئی میرے والد کا نکاح ہوا تھا اور میرے والد اور والدہ کے نکاح کے جو گواہ ہیں وہ ابھی تک زندہ ہیں اگر کسی نے ان سے تصدیق کرنی ہے میں نام بتا دیتا ہوں تم تصدیق کر لو۔ اور تیسری بات لکھی ہے کہ

سنبھل کر بات کرنا۔ تو فرمایا کہ بھئی میں پیسے مانگنے تو آیا نہیں دین کی بات کرنے آیا ہوں جو کھری بات ہوگی وہ تو کروں گا۔ پھر آگے تقریر شروع کر دی۔ حلم دیکھیے تو علم کے ساتھ کیا چیز سجتی ہے حلم سجتا ہے۔

(۴) طالب علم کی زینت عاجزی میں ہے

چوتھی بات کہ طالب علم کی زینت عاجزی میں ہے۔ چنانچہ جس کے اندر جتنی زیادہ عاجزی ہوگی وہ اتنا زیادہ علم حاصل کرنے والا بنے گا۔ آپ نے پانی کو دیکھا کہ جدھر جھکان ہوتی ہے ادھر کو زیادہ بہتا ہے۔ علم بھی اس پانی کی طرح ہے جس میں عاجزی زیادہ ہوتی ہے، استاذ کے دل سے اس کی طرف سے زیادہ جاتا ہے۔ تو طالب علم کو عاجزی سجتی ہے۔ اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، فرمایا کرتے تھے:

((لَا يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ)) (البخاری: ۲۳۲/۱)

”جو حیا کرتا رہے اس کو بھی علم نہیں ملتا اور جو متکبر بن کے رہے اس کو بھی علم نہیں ملتا۔“

تو علم ملتا ہے کہ جو اپنے اندر عاجزی پیدا کرے، عاجزی والے کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرماتے ہیں۔ اس لیے اپنے استاد کا ادب کرنا اور اس کے سامنے عاجزی سے پیش آنا یہ طالب علم کی زینت ہے۔ بات سمجھ گئے؟ مرفوع حدیث ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((تَوَاضَعُوا لِمَنْ تَتَعَلَّمُونَ مِنْهُ)) (جامع الاحادیث: ۱۱۰۲۰)

”کہ جن سے تم علم حاصل کرتے ہو ان سے تم تواضع کے ساتھ ملو“

تواضع کے ساتھ پیش آؤ گے تو کیا ہوگا؟ حدیث پاک میں آیا ہے:

((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ)) (کنز الاعمال: ۸۵۰۸)

''اللہ کے لیے جو تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلندی عطا فرماتا ہے''

اس لیے علم کے سامنے تواضع اختیار کرنی چاہیے۔

علم کے سامنے......فرشتے سرنگوں:

ایک نکتے کی بات سنیے کہ علم کے سامنے فرشتے بھی جھک گئے۔ آدم علیہ السلام کو انہوں نے سجدہ کیوں کیا؟ آدم علیہ السلام کو اللہ نے علم زیادہ دیا تھا۔ اس لیے فرمایا:

﴿ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾

کہ بھئی تم تو جواب نہیں دے سکے، آدم علیہ السلام نے جواب دے دیا اب ان کو سجدہ کرو! تو جھکے نا علم کے سامنے۔ اس لیے طالب علم جو طلب علم کے لیے نکلتا ہے اس کے سامنے پاؤں کے نیچے جو فرشتے جو پر بچھاتے ہیں وہ اسی علم کے سامنے جھکنے کی وجہ سے ہے۔ تو فرشتے علم کے سامنے سرنگوں۔

......انبیا سرنگوں:

انبیا بھی علم کے سامنے سرنگوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور خضر علیہ السلام اللہ کے ولی ہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام شاگرد بنے نا ان کے سامنے۔ تو وقت کے نبی ہیں لیکن علم کے سامنے جھکنا پڑا۔

......بادشاہ سرنگوں:

اور علم کے سامنے دنیا کے بادشاہ بھی سرنگوں۔ دنیا کے بادشاہ بھی جھکتے رہے علم کے سامنے۔ کتنے ہی باشاہوں کے واقعات ہیں کہ علم کے سامنے جھکتے رہے۔

سالم بن عبداللہ، وقت کا بادشاہ آ کے انتظار میں کھڑا رہتا تھا اور حضرت اندر اپنی مجلس میں جو حدیث بیان کر رہے ہوتے تھے۔ علم کے سامنے بادشاہ بھی سرنگوں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ہارون الرشید ہاتھ باندھ کے کھڑا ہوتا تھا۔ اپنے دو بیٹوں کو کہا تھا کہ امام صاحب کی خدمت کیا کرو! شہزادوں کو بھیجا خدمت کے لیے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں غلام تھا تو تین سو درہم میں مجھے آزاد کیا گیا۔ پھر میں نے علم حاصل کیا تو علم حاصل کرنے کے بعد اللہ نے مجھے وہ مقام دیا کہ ایک مرتبہ میں حدیث کا درس دے رہا تھا تو وقت کا بادشاہ میری ملاقات کے لیے ایک گھنٹہ میرے دروازے پر آ کر کھڑا رہا۔ تو علم کے سامنے بادشاہ بھی ڈرتے تھے۔

عطا ابن ابی رواح رحمۃ اللہ علیہ حبشی تھے، ظاہر کا رنگ کالا تھا لیکن دل کا رنگ بڑا سفید تھا۔ ان کی انتظار میں وقت بادشاہ کو دو دو گھنٹے کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ بادشاہ نے اپنے بیٹے کو کہا کہ تم علم حاصل کرلو مجھے اس حبشی کے سامنے ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس برمکی وزیر بادشاہ ہارون الرشید کو لے کر آیا۔ ہارون الرشید جب وہاں پہنچا تو انہوں نے دروازہ بند کر دیا اور چراغ بجھا دیا۔ بڑی منت سماجت سے دروازہ کھلوایا تو برمکی نے پوچھا کہ آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا؟ وہ کہنے لگے کہ میں ان کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس نے کہا کہ میں سلام کرتا ہوں اور سلام کا جواب دینا تو واجب ہے۔ چنانچہ اس نے ہاتھ بڑھایا تو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے سلام میں اس کا ہاتھ جو پکڑا تو فرمایا کہ کتنے نرم ہاتھ ہیں اگر یہ جہنم میں نہ چلے گئے۔ تو پھر اس نے کہا کہ حضرت! نصیحت فرمائیے! تو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی وصیت کی کہ وہ بیٹھ کر آنسوؤں سے روتا رہا۔ علم کے سامنے فرشتے بھی سرنگوں، انبیا بھی سرنگوں، اور بادشاہ بھی سرنگوں۔ تو بھئی طالبعلم کو بھی سرنگوں ہونا پڑے گا۔ جو سر اٹھا کے رہے گا پھر اس کو علم کیسے ملے گا؟ تو طالب علم کی زینت کس میں

ہے عاجزی میں۔

۵ محسن کی زینت احسان نہ جتلانے میں ہے

پانچویں بات یہ کہ محسن کی زینت احسان نہ جتلانے میں ہے۔ ورنہ تو لوگ کسی کے سات بھلا کریں تو پتہ نہیں کہاں کہاں کتنا تذکرہ کرتے ہیں، احسان جتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَاتُبْطِلُوْاصَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى﴾ (البقرة:۲۶۴)

''تم احسان جتلا کر تکلیف دے کر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو''

تو بھئی کسی کے ساتھ بھلا کرو تو کس کے لیے؟ اللہ کے لیے۔

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عمل:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ عمل تھا کہ دھوپ میں کھڑے تھے، ساتھ دیوار کا سایہ تھا تو سائے میں نہیں کھڑے تھے۔ کسی نے کہا کہ امام صاحب! دھوپ میں کھڑے ہیں پسینہ آرہا ہے سائے میں کھڑے ہو جائیں۔ فرمایا کہ اس بندے کو میں نے قرض دیا ہوا ہے تو میں نہیں چاہتا کہ اس کی دیوار کے سائے سے بھی فائدہ اٹھالوں۔

ایک صالح نوجوان کا عمل:

ایک صالح نوجوان تھے۔ ان کا ایک دوست تھا، وہ بہت ہی فاسق اور فاجر بنا۔ ایک دن اس دوست نے کچھ پیسے اس کو دے دیے کہ جی میرے پیسے امانتاً رکھ لیں جب ضرورت ہوگی میں آپ سے لیتا رہوں گا۔ مثال کے طور پر اس نے پانچ سو روپے رکھ لیے، اب جب ضرورت پڑتی وہ مانگ لیتا، یہ دے دیتے۔ بہت عرصہ گزر گیا کہنے لگے کہ ایک دن میں نے ان سے پیسے مانگے، پوچھا کہ کس کام کے لیے

چاہئیں۔ میں نے کہا کہ سگریٹ پینی ہے، انہوں نے کہا کہ پیسے تو میں تمہیں دوں گا لیکن سگریٹ کے لیے نہیں دوں گا۔ بڑا غصہ آیا کہ پیسے تو میرے ہیں تو کون ہوتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں تمہارا دوست اور کون۔ اچھے کام کے لیے پیسے دوں گا برے کے لیے نہیں دوں گا۔ کہتا ہے: میں غصے ہوا، میں نے گالیاں نکالیں، اس نے سب سن لیں۔ حتیٰ کہ مجھے اتنا غصہ آیا چونکہ سگریٹ نہیں مل رہا تھا تو اندر اتنا جوش تھا کہ میں نے اس بندے کے تھپڑ لگا دیا۔ تھپڑ کھا کے اس نے مجھے پیسے دے دیے کہ بھئی تو اتنا ہی خفا ہوتا ہے تو لے جا کوئی بات نہیں۔ کہتا ہے: میں گھر آیا، سگریٹ لی پھر مجھے خیال آیا کہ میں حساب تو کروں کہ میں نے لیے کتنے ہیں اور بچے کتنے ہیں؟ جب میں نے حساب کیا تو میں ایک ہزار روپے اس سے لے چکا تھا۔ ایک ہزار روپے میں اس سے لے چکا تھا اور وہ مجھے بتا بھی نہیں رہا تھا کہ میں تو تجھے دوستی کی وجہ سے اللہ کے لیے پیسے دے رہا ہوں اور اس نے تھپڑ بھی کھا لیے اور گالیاں بھی سن لیں۔

ہمارے اکابر یوں احسان کیا کرتے تھے، پیسے بھی دیے، بتایا بھی نہیں، جتلایا بھی نہیں، گالیاں بھی سن لیں تھپڑ بھی کھا لیا۔

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى﴾ (البقرۃ:۲۶۴)

تو محسن کی زینت کس میں ہے؟ احسان میں ہے کہ انسان احسان بھی کرے اور جتلائے بھی نہیں۔

۶ نماز کی زینت خشوع اور خضوع میں ہے

اور چھٹی بات کہ نماز کی زینت خشوع اور خضوع میں ہے۔ انسان نماز تو پڑھتا ہے مگر اٹھک بیٹھک نہ ہو، پرسکون، یکسوئی کے ساتھ، تعدیل ارکان کے ساتھ، سنوار کے خوبصورت بنا کے نماز پڑھے۔ ظاہر میں بھی اللہ کی طرف دھیان، باطن بھی اللہ کی

طرف متوجہ، ایسے نماز پڑھے تو پھر اس میں نماز کی زینت ہے۔ چنانچہ اس پر بہت سارے واقعات ہمارے بزرگوں کے ہیں۔ اس عنوان پر مضمون کو کیا لمبا کریں۔ ہمارے بزرگ کتنے خشوع اور خضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ حضرت! آپ کو نماز میں دنیا کا خیال آتا ہے، انہوں نے کہا کہ نہ نماز میں آتا ہے نہ نماز کے علاوہ آتا ہے۔ کیا سکون کی نمازیں پڑھتے ہوں گے! اللہ ہمیں بھی ایسی نماز عطا فرمادے۔

⑦ خوف کی زینت گناہ کو چھوڑنے میں ہے

ساتویں چیز فرمایا کہ خوف کی زینت گناہ کو چھوڑنے میں ہے۔ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گناہ کو ترک کردے۔

خوف میں دو قدم:

دیکھیں! خوف میں دو قدم ہیں۔

پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنی کوتاہیوں پر روئے۔ یہ اکثر طلبا کو حاصل ہوتا ہے، کام اگر غلط ہو جائے تو ندامت ہوتی ہے پھر روتے بھی ہیں، معافیاں بھی مانگتے ہیں یہ پہلا قدم ہے۔ الحمدللہ چلو ندامت تو ہے، نا روتے تو ہیں نا۔

مگر خوف کی وجہ سے رونا پہلا قدم اور خوف کی وجہ گناہ کو چھوڑ دینا یہ دوسرا اور بڑا قدم ہے۔ اللہ کا خوف دل میں ایسا بیٹھ جائے کہ انسان گناہ کو چھوڑ دے۔ اور گناہ کو چھوڑنا اللہ کو بڑا اچھا لگتا ہے۔

گناہ چھوڑنے پر عبادت میں لذت:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو انسان غیر محرم پر نظر ڈالنا چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ

اس کے بدلے اس کو عبادت کی لذت عطا فرما دیتے ہیں۔ ہر گناہ کے چھوڑنے پر اللہ کی طرف سے انعام ملتا ہے۔ میرے بندے! تم نے یہ وقتی لذت چھوڑی میں اس کے بدلے تمہیں Permanant (دائمی) لذت عطا کرتا ہوں۔ اور میں نے ایک کتاب میں یہ بھی پڑھا کہ اگر کوئی آدمی کسی غیر محرم پر قابو پائے، موقع ہو کہ وہ گناہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہو لیکن اللہ کے خوف سے چھوڑ دے، اللہ اس کے بدلے قیامت کے دن اپنے چہرے کا دیدار عطا فرمائیں گے۔ گناہ چھوڑنا اللہ کو بڑا پسند ہے، بڑا پسند۔ تو خوف کی زینت گناہ چھوڑنے میں ہے۔ اور اس لیے فرمایا:

﴿ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾

(النازعات:۴۰)

"جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے اور اپنے آپ کو خواہش سے روک لیا"

دیکھا خوف کا اصل مقصد یہ ہے کہ نفس گناہوں کو چھوڑ دے۔

گناہ کو چھوڑنے والے:

چنانچہ دہلی کے طالب کا واقعہ پہلے اس عاجز سے سنا ہوگا کہ اس کے سامنے گناہ کا موقعہ تھا مگر وہ آگ میں اپنی انگلی ڈال کے یاد دلا رہا تھا کہ تم دنیا کی اس آگ کی گرمی نہیں برداشت کر سکتے کل قیامت کے دن کی گرمی کیسے برداشت کرو گے؟

سلمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کو عورت نے گناہ کی دعوت دی اور انہوں نے جواب میں فرمایا کہ

"اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ" "میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔"

خواب میں یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں تو اس لیے بچ گیا کہ اللہ کا نبی تھا مگر خوشی

اس بات کی ہے، کہ تم نے ولی ہو کر وہ کام کیا جو اللہ کا نبی کیا کرتا ہے۔ تو اللہ کے لیے گناہ کو چھوڑ دینا یہ خوف کی زینت ہے۔

ہم بھی اللہ سے دعا مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں گناہوں سے بچا لیجیے ہم سارے گناہوں کو چھوڑنے کی نیت کر لیں۔ کسی نے کیا اچھی بات کہی ؎

غمِ حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کے دل کو غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولیٰ
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

اے اللہ! میں امتحان کے قابل نہیں ہوں تو گناہ کے موقع سے مجھے بچا لے! ہاتھ گناہ کی طرف بڑھنا چاہیں، بڑھتے ہاتھوں کو واپس کر دیں، قدم اٹھنا چاہیں، اٹھتے قدموں کو واپس لٹا دے۔ اللہ مجھے گناہ سے بچا لے!

اللہ تعالیٰ ہمیں ان سات اعمال کی زینت عطا فرما کر ان خوبیوں سے مزین فرما دے اور ہمیں اپنے پیارے مقبول بندوں میں شامل فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (ال عمران:۳۱)

اتباع سنت کی اہمیت

بیان: محبوب العلماء والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

اتباعِ سنت کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (ال عمران:۳۱)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ کی محبت حاصل کرنے کا آسان نسخہ:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ﴾ اے میرے حبیب ﷺ! آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ رب العزت سے محبت کرتے ہو ﴿فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ تو میری اتباع کرو ﴿يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے۔ اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نبی علیہ السلام کی سنت پر عمل کرے، اپنے آپ کو سنت سے مزین کرے تو وہ اللہ رب العزت کا محبوب بن جاتا ہے۔

اعضا کی زینت:

اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے شادی کے موقعے پر دلہن کو زیورات پہنائے جاتے ہیں، وہ یہ سمجھتی ہے کہ جسم کے جس عضو پر میں نے زیور پہن لیا وہ عضو خوبصورت بن گیا۔ انگلیوں میں انگوٹھیاں ڈال لیں انگلیاں خوبصورت، کلائی میں چوڑیاں ڈال لیں کلائی خوبصورت، کانوں میں بالیاں ڈال لیں تو کان خوبصورت

آنکھوں میں سرمہ ڈال لیا آنکھیں خوبصورت، اسی طرح مومن اپنے جسم کے جس عضو کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے مطابق بناتا چلا جاتا ہے وہ عضو اللہ رب العزت کی نظر میں خوبصورت ہوتا چلا جاتا ہے۔ شادی کے موقعہ پر لوگ کتنی کوششیں کرتے ہیں کہ جی فلاں بیوٹی پارلر پر لے جاؤ، دلہن کو وہاں سے اس کو سجاؤ تاکہ پہلی نظر میں خاوند کو پسند آجائے، تو مؤمن بھی اپنے آپ کو سنت سے مزین کرے تاکہ اللہ رب العزت کو پسند آجائے۔

امام کی فقط اقتدا نہیں، منشا کو بھی سمجھنا ضروری ہے:

عام طور پر دیکھا ہے کہ جب انسان نماز پڑھتا ہے تو ایک امام ہوتا ہے، باقی مقتدی ہوتے ہیں۔ امام جو کرتا ہے مقتدی کو کرنا پڑتا ہے، امام نے قیام کیا، مقتدی بھی قیام کرے گا، امام نے رکوع کیا مقتدی بھی رکوع کرے گا، امام التحیات میں بیٹھا تو مقتدی التحیات میں بیٹھے گا، جو امام کرے وہی مقتدی کو کرنا ضروری ہوتا ہے تب اس کی نماز مکمل ہوتی ہے۔ اگر وہ امام کی پیروی نہ کرے اقتدا نہ کرے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ امام رکوع کر رہا ہے مقتدی سجدہ کر رہا ہے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوگی، امام کی اقتدا ضروری ہے۔ اور اس میں مزے کی بات یہ کہ اکثر ارکان میں تکبیر ہوتی ہے، اللہ اکبر...... اللہ اکبر۔ وہ اللہ اکبر کہتا ہے تو رکوع میں چلے گئے، اللہ اکبر کہتا ہے سجدے میں چلے گئے، پھر اللہ اکبر کہا سجدے سے اٹھ کر بیٹھ گئے، پھر اللہ اکبر کہا تو دوبارہ سجدے میں چلے گئے، پھر اللہ اکبر کہا تو التحیات میں بیٹھ گئے۔ ہے تو ایک ہی لفظ نا اللہ اکبر، لیکن مقتدی پہچانتے ہیں کہ اب امام کی منشا کیا ہے؟ لہٰذا اسی اللہ اکبر کے لفظ سے وہ کبھی قیام میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی قعدے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ نماز میں صرف امام کی اقتدا ہی نہیں کرنی ہوتی امام کی منشا کو بھی پہچاننا

ہوتا ہے۔

نمازِ زندگی کے امام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری پوری زندگی کے امام ہیں۔ ہماری زندگی ایک نماز کی مانند ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے امام ہیں، ہم مقتدی جس کام کو نبی علیہ السلام نے جس طریقے سے کیا اسی طریقے پر کریں گے تو نمازِ زندگی اللہ کے ہاں قبول ہوگی اور اگر من مرضی کریں گے تو اللہ کے ہاں یہ زندگی قبول نہیں ہوگی۔ اس لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا:

((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِىْ أُصَلِّىْ)) (دار قطنی، رقم:۱۰۷۹)

یہ نہیں کہا جیسے میں نماز پڑھتا ہوں ویسے پڑھو بلکہ فرمایا: نماز پڑھو جیسے تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ تو نبی علیہ السلام کی ایک ایک عادت کو اپنانا رفتار میں، گفتار میں، کھانے میں، پینے میں، معاشرت میں، زندگی کے ہر کام میں، یہ چیز انسان کو اللہ رب العزت کا محبوب بنا دیتی ہے۔ جتنی زندگی نبی علیہ السلام کی سنت کے مطابق ہوتی جاتی ہے اتنا انسان اللہ کی نظر میں محبوب ہوتا چلا جاتا ہے۔

اتباع کے بغیر قبولیت نہیں:

آپ نے کئی مرتبہ تجربہ کیا ہوگا کہ درزی کے پاس آپ اپنی ویسٹ کوٹ لے جائیں اور آپ کہیں کہ بھائی اس سائز کے مطابق میری ویسٹ کوٹ بنا دیں۔ جب آپ بنی ہوئی لینے جائیں تو گلا مختلف ہو، سائز مختلف ہو، تو کیا آپ ویسٹ کوٹ قبول کریں گے؟ بالکل نہیں کریں گے، آپ کہیں گے کہ آپ نے میرا کپڑا ضائع کر دیا۔ اگر ہم ایک انچ کا فرق برداشت نہیں کر سکتے تو اللہ رب العزت نے بھی اپنے پیارے

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے، قرآن مجید میں فرما دیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

تمہارے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ اب اگر ہم اس نمونے کی پیروی نہیں کریں گے تو اللہ رب العزت کے ہاں کیسے قبول کی جائے گی؟

محبّ کا مطیع ہونا لازم ہے:

محبت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَا يُحِبُّ مُطِيْعٌ

محبّ جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہو جاتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ چھوٹا بچہ دودھ کو ددھو کہہ دیتا ہے تو ماں باپ بھی دونوں ددھو کہہ دیتے ہیں۔ بھئی وہ تو بچہ تھا آپ تو بڑے ہو، اس لیے کہ بچے کا ددھو کہنا ان کو اچھا لگا اس لفظ کو اسی طرح وہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ تو جس بندے کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سچی محبت ہے وہ ہر کام کو نبی علیہ السلام کے طریقے پر کرنے کی کوشش کرے گا اور قیامت کے دن اسی عمل کو قبول کیا جائے گا جو سنت کے مطابق ہوگا۔

سنت کی مہر قبولیت کی پہلی شرط ہے:

ہم نے دیکھا کہ شہروں سے باہر سلاٹر ہاؤس بنے ہوتے ہیں جہاں جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ وہاں پر گورنمنٹ کا ایک آدمی متعین ہوتا ہے، جو جانور صحیح طریقے سے ذبح ہوتا ہے وہ اس کے گوشت کے اوپر مہر لگا دیتا ہے اور جب دکان دار یہ جانور لے کر شہر کی طرف جاتے ہیں تو شہر میں پولیس کے بندے موجود ہوتے ہیں، وہ چیک کرتے ہیں کہ دکھاؤ مہر لگی ہے یا نہیں۔ اگر مہر لگی ہو تو جانے دیتے ہیں، مہر نہ لگی ہو تو

کہتے ہیں کیا پتہ کوئی مردہ جانور کی کھال اتار کر لا رہا ہو کھلانے کے لیے، وہ اس کو روک دیتے ہیں۔ جس طرح دنیا کی حکومت مہر لگے جانور کو اندر جانے دیتے ہیں، قبول کرتے ہیں، قیامت کے دن اللہ رب العزت کا یہی معاملہ ہوگا۔ جس بندے کے جس جس عمل پر سنت کی مہر لگی ہوگی اسے جانے دیا جائے گا اور جو سنت کی مہر سے خالی ہوگا اس کو رد کر دیا جائے گا۔ اللہ رب العزت نے اپنے تک آنے کے تمام راستوں کو بند کر دیا سوائے اس راستے کے جس پر نبی علیہ السلام چلے، انہیں نقشِ قدم پر جو چلے گا وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچے گا۔

ہدایت کیلیے دو چیزیں:

اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ)) (الموطا، رقم: ۱۵۹۴)

''میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں''

((لَنْ تَضِلُّوْا اَنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھَا))

''کبھی تم گمراہ نہیں ہوگے، اگر تم ان دونوں کیساتھ جڑے رہو گے''

ان کو سینے سے لگائے رکھو گے۔ کیا چیز؟ فرمایا:

((کِتَابُ اللّٰہِ وَ سُنَّتِیْ)) (الموطا، رقم: ۱۵۹۴)

''ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت''

ان دو کے ساتھ تم جڑے رہو گے تو کبھی تم راستے سے نہیں ہٹو گے۔ اور ایک جگہ فرمایا: جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اس لیے سنت سے محبت کا ہونا درحقیقت نبی علیہ السلام سے محبت کا ہونا ہے۔

سوشہید کا ثواب:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ))

(مشکوۃ المصابیح، رقم:۱۸۶)

''جو میری سنت پر اس وقت عمل کرے گا جب امت میں فساد آ گیا ہوا سے سو شہید کا ثواب عطا کیا جائے گا۔''

کیا مطلب؟ کہ جب سنتوں کو معمولی سمجھ کے چھوڑ دیا گیا ہو، فرمایا اس وقت سنت پر عمل کرنے والے بندے کو سو شہیدوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔

سنت کی کسوٹی:

چنانچہ جب بھی پرکھنا ہو اپنی زندگی کو تو سنت کے اوپر پرکھو۔ جیسے سنار کے پاس زیور لے کے جاؤ تو اس کے پاس ایک کسوٹی ہوتی ہے، وہ اس سونے کو گھسا کر چیک کر لیتا ہے کہ یہ سونا صحیح ہے یا ملاوٹ والا۔ بالکل اسی طرح بندہ اپنی زندگی کو پرکھنا چاہے کہ اللہ کے ہاں قبول ہے یا نہیں تو اس کو سنت کی کسوٹی کے اوپر دیکھ لے، اگر ہر عمل، ہر کام سنت کے مطابق ہے تو یقیناً اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہوگا۔

سنت نبوی کشتی نوح کی مانند ہے:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نبی علیہ السلام کی سنت کشتی نوح کی مانند ہے جو کشتی نوح میں بیٹھ گیا وہ طوفان سے نجات پا گیا جو نبی علیہ السلام کی سنت کی کشتی میں بیٹھ گیا وہ زمانے کے فتنوں سے نجات پا گیا۔

سب سے بڑی کرامت:

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا دس سال ان کی صحبت میں رہا کہنے لگا کہ حضرت! اجازت دیجیے! کیوں بھئی؟ جی میں تو آیا تھا کوئی کرامات دیکھوں گا، کوئی کشف ہوں گے، یہاں تو دس سال میں کچھ نہ دیکھا۔ تو جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے ان دس سال میں سنت کے خلاف کوئی کام کرتے دیکھا۔ کہتا ہے نہیں، فرمایا: اس سے بڑی کرامت اور کیا ہو سکتی ہے کہ دس سال میں اللہ نے مجھے ہر عمل سنت کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے بیس سال اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کیا مگر میں نے ہر کام کو سنت کے مطابق کرنے سے بڑا مجاہدہ اپنے نفس کے لیے کچھ نہیں دیکھا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نفلی عبادتیں اپنی مرضی کے مطابق کرنا، یہ کوئی مشکل نہیں، نفس اس سے پلتا ہے، نفس سنورتا نہیں ہے، نفس کے لیے سب سے بڑا مجاہدہ ہر کام کو سنت کے مطابق کرنا ہے۔

چنانچہ انہوں نے سنت کا اپنے مکتوبات میں اس قدر عجیب الفاظ سے تذکرہ کیا کہ انسان حیران ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

دوپہر کے وقت سنتِ قیلولہ کی نیت سے تھوڑی دیر کے لیے سو جانے پر وہ اجر ملتا ہے جو کروڑہا نفلی شب بیداریوں پر انسان کو نہیں ملتا۔

کیا عجیب الفاظ کہے! اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ سنت کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے۔

ایک اور بات بڑے عارفانہ انداز میں کہی۔ فرماتے ہیں:

''ہمارے سلسلہ کے مشائخ شرع شریف کے نفیس موتیوں کو بچوں کی مانند جو زومواہیز کے بدلے میں نہیں دیتے ،نص سے فص کی طرف مائل نہیں ہوتے ،اور فتوحاتِ مدنیہ سے فتوحاتِ مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ ان کا کارخانہ بلند ہے۔''

اب ذرا توجہ کیجیے! کیسے شاہانہ انداز سے تذکرہ کرتے ہیں کہ ہمارے مشائخ سنت کا اتنا اہتمام کرتے ہیں کہ نص سے فص کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ نص کہتے ہیں قرآن و سنت کے صریح احکام کو اور فص سے مراد ''فصوص الحکم'' تصوف کی ایک کتاب ہے۔ فتوحاتِ مدنیہ سے مراد قرآن و حدیث ''فتوحاتِ مکیہ'' تصوف کی ایک مشہور کتاب ہے جو ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔

ہر کام کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے مطابق کرنا انسان کو اللہ رب العزت کا محبوب بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ہم اپنے اکابرین کو دیکھیں تو ان کا ایک ایک عمل سنت کے مطابق ہوتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے ایک ایک صحابی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کا نمونہ تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اتباعِ سنت:

اچھا دیکھیے! سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کی سنت کو اتنا اپنایا اتنا اپنایا کہ بالکل ان کی نقل بن چکے تھے۔

مشابہت بلحاظ صورت:

جب ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گئے مدینہ کے لوگ قبا کے مقام پر ان کے استقبال کے لیے تیار تھے۔ اب یہ تجربہ کار لوگ تھے، سمجھدار لوگ تھے، انہوں نے دو مسافروں کو آتے دیکھا مگر دونوں میں ان کو کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ لباس ایک تھا، رفتار ایک تھی، چلنے کا، بیٹھنے کا انداز ہر چیز ایک جیسی تھی۔ حتیٰ کہ مدینہ کے لوگ شبہ میں پڑ گئے کہ ان میں سے اللہ کے نبی کون ہیں؟ اور کتابوں میں لکھا ہے کہ انہوں نے آگے بڑھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ شروع کر دیا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسی سمجھداری کی کہ میرے آقا اس وقت تھکے ہوئے ہیں، سب ان سے مصافحہ کریں گے تو اور تھکاوٹ ہوگی، وہ سب سے مصافحہ کرتے رہے۔ جب سب نے مصافحہ کر لیا تو اس وقت سورج نکلا اور اس کی کرنوں نے نبی علیہ السلام کے رخساروں کے بوسے لیے۔ اب انہوں نے دیکھا کہ جس کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر مصافحہ کرتے رہے انہوں نے اپنی چادر نکالی اور اپنے ساتھی کے اوپر سایہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ اب پتہ چلا کہ امام کون تھا مقتدی کون تھا، نبی کون تھا امتی کون تھا، اصل کون تھا اس کی نقل کون تھا، گویا نقل اور اصل اتنا متشابہ ہو چکے تھے کہ لوگوں کے لیے نقل اور اصل میں فرق کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ اسی لیے باہر کے لوگ آتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوتے نبی علیہ السلام تشریف فرما ہوتے، وہ آ کے پوچھتے:

مَنْ مِنْكُمْ مُحَمَّدٌ "آپ میں محمد کون ہیں"؟

کیوں ضرورت پوچھنے کی پیش آتی تھی؟ اس لیے کہ سب ایک جیسے نظر آتے تھے۔ یہ تو ظاہری مشابہت تھی شکل و صورت کی مشابہت، اب ذرا سیرت کی مشابہت دیکھیے۔

مشابہت بلحاظ سیرت:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب پہلی مرتبہ وحی اتری تو جبرئیل علیہ السلام نے ان کو سینے سے لگا کے خوب دبایا۔ اللہ کے نبی ﷺ پر ایک طبعی خوف طاری ہو گیا۔ آپ اپنے گھر تشریف لائے اور زملونی زملونی فرماتے رہے۔ تو اس وقت آپ کی اہلیہ صاحبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! آپ کو کس چیز کا ڈر ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ))

''مجھے اپنی جان کا ڈر ہے''

جب یہ کہا تو اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی صفات گنوائیں۔

اے اللہ کے نبی ﷺ!

((كَلَّا)) ''ہرگز نہیں''

((اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ))

''آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں''

((وَتَحْمِلُ الْكَلَّ))

''لوگوں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں''

((وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ))

''جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا اس کو کما کے آپ دینے والے ہیں''

((تَقْرِیْءُ الضَّيْفَ))

''مہمان نوازی کرنے والے ہیں''

((وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَق))

''اور نیک کاموں میں لوگوں کا تعاون کرنے والے ہیں''

''جب آپ کے اندر یہ صفات ہیں تو''

((مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ)) (البخاری، رقم:۴۵۷۲)

''اللہ آپ کو ضائع نہیں ہونے دے گا''

اب یہ بخاری شریف کی صحیح حدیث کے الفاظ وارد ہیں۔

اب ذرا اتباع سنت کا حال سنیے! سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حبشہ ہجرت کی اجازت مانگی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت عطا فرمادی۔ یہ مدینہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک دن چل پڑے، شہر کے باہر ایک کافر ملا، وہ کہنے لگا کہ ابوبکر! کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے کہ مکہ والے رہنے نہیں دیتے، میں حبشہ کی طرف جارہا ہوں۔ اس نے کہا کہ ((كَلَّا)) ہرگز نہیں

((اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ))

''آپ صلہ رحمی کرنے والا ہے''

((وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ تَقْرِءُ الضَّيْفَ وَ تُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ))

جو صفات خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلیے بیان کیں، بالکل وہی الفاظ ایک کافر نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے کہہ دیے۔ سیرت ایسی تھی، اس کو کہتے ہیں اتباع سنت۔

حضرت ابن عمر کی اتباع سنت:

ابن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جارہے ہیں، ایک جگہ سواری کھڑی کی، نیچے اترے، درخت کے نیچے جاکر بیٹھے، جیسے انسان اپنی قضائے حاجت کے

لیے بیٹھتا ہے، مگر ایسے ہی کپڑوں کو ہٹائے بغیر۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر آئے اور سواری پر بیٹھ کر چل پڑے۔ ساتھی نے کہا کہ حضرت! رکنے کا، جا کر بیٹھنے کا مقصد کیا تھا؟ ضرورت نہیں تھی تو وقت کیوں ضائع کیا۔ فرمایا: میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک سفر کیا اور اس مقام پر میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام اترے اور وہاں جا کر آپ ضرورت کے لیے تشریف فرما ہوئے گو مجھے ضرورت نہیں تھی میرا دل چاہا میں اس جگہ پر وہی کروں جو میرے آقا نے کیا ہے ایک ایک عمل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ انکی محبت تھی۔

ایک حبشی صحابی رضی اللہ عنہ کی اتباع:

چنانچہ ایک صحابی تھے حبشہ کے اور جو حبشی لوگ ہوتے ہیں ان کے سر پر جو بال ہوتے ہیں وہ چھوٹے ہوتے ہیں، کرلی ہوتے ہیں، لمبے نہیں ہوتے۔ وہ جب نہاتے آئینے میں چہرہ دیکھتے، ان کا جی چاہتا کہ میرے سر میں بھی مانگ اسی طرح نظر آئے جیسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر آتی ہے۔ تو کنگھے سے اپنی مانگ بنانے کی کوشش کرتے تھے، مانگ بنتی نہیں تھی، انہیں اپنا سر اچھا نہیں لگتا تھا۔ محبت میں ایک دن لوہے کی ایک گرم سلاخ تھی وہ انہوں نے آگ میں سے نکالی اور اپنے سر پر پھیر لی، زخم ہو گیا، علاج معالجے سے ٹھیک ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے سر کو جلا لیا، اتنی تکلیف کیوں پہنچائی؟ فرمانے لگے: تکلیف تو بالآخر ختم ہو گئی، آئندہ میرا سر مانگ کی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک سر سے مشابہت پا گیا۔ کیا محبت ہو گی ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ۔

اتباع نبی علیہ السلام کی وجہ سے جادوگروں کو ہدایت:

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ ہونا تھا، تو فرعون

نے یہ کہا کہ اس مقابلے کو میں خود دیکھوں گا۔ ان کے ہاں دستور یہ تھا کہ جب بادشاہ مقابلہ دیکھنے کے لیے آتا تو فریقین ایک روایتی لباس جوان کا پروٹوکول ہوتا تھا وہ پہن کر آتے تھے۔ چنانچہ جب جادوں گروں کے ساتھ مقابلہ تھا تو حکومت کے جو لوگ تھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت پریشر دینے کی کوشش کی کہ آپ جادوگروں کا لباس پہن کر آئیں۔ مگر وہ اللہ کے نبی تھے وہ کیسے اس بات کو مان سکتے تھے؟ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے جو جبہ پہنا ہوا ہے میں اس جبہ کے ساتھ آؤں گا۔ اب بیوروکریسی سوچنے بیٹھ گئی کہ کیا کریں؟ تھک ہار کر ان کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ ہم جادوگروں کو ان جیسا لباس پہنا دیں۔ چنانچہ انہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جبے بنوائے اور جادوگروں کو پہنا دیے کہ دونوں فریقین ایک لباس میں تو ہوں گے۔ اب جب مقابلہ ہوا تو اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب فرما دیا مگر اس کے ساتھ جادوں گروں نے بھی کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ فرعون بڑا غضب ناک ہوا، اس نے کہا کہ ایک طرف کا ہاتھ کاٹوں گا دوسری طرف کی ٹانگ کاٹوں گا، بازو اور ٹانگ تا کہ ان بیلنس رہے، تم کھڑے بھی نہ ہو سکو۔ اب وہ ایمان کی حلاوت دیکھ چکے تھے چنانچہ انہوں نے کہا:

﴿فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ﴾ (طٰہٰ:۷۲)

''جو کر سکتا ہے تو کر گزر''

جب اتنی انہوں نے قربانی دی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا تعجب ہوا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور اللہ رب العزت کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ آپ نے تو مجھے By Name (نام لے کر) فرعون کے پاس بھیجا فرمایا:

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ (طٰہٰ:۲۴)

''جاؤ فرعون کے پاس کہ وہ باغی بن گیا''

تو نام لے کر اس کی طرف بھیجا۔ اور فرعون کو تو ہدایت ملی نہیں جادو گروں کو ہدایت مل گئی۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: اے میرے پیارے کلیم! میں نے تمہیں فرعون کی طرف بھیجا تھا، لیکن جب میں ہدایت کا فیصلہ کرنے لگا تو میری رحمت نے اس بات کو پسند کیا کہ پہلے ہدایت ان کو دوں جن کو میرے کلیم کے ساتھ ظاہری مشابہت ہوگئی تھی۔ تو اگر جادوگر مجبور ہو کر ایک نبی علیہ السلام کی مشابہت پا لیتے ہیں تو وہ انعام کے حق دار بن جاتے ہیں، اگر امت محمدیہ کا کوئی امتی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں ڈوب کر نبی علیہ السلام سے مشابہت پانے کی کوشش کرے گا اللہ کی طرف سے کتنا انعام ملے گا۔

بیٹے سے مشابہت کی وجہ سے بچے سے محبت:

چنانچہ ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ میں بچپن میں مدرسے جاتا تھا۔ ایک بوڑھی عورت تھی، جب بھی وہ مجھے دیکھتی تو مجھے بلاتی، مجھے پیار کرتی، گھر لے جاتی، مجھے کھانے پینے کی چیزیں دیتی، پھر جب میں جانے لگتا تو کہتی کہ بچہ پھر کبھی آنا کیونکہ کھانا پینا ملتا تھا، میں بھی بار بار جاتا تھا۔ اس بوڑھی اماں سے پوچھا کہ اماں کیا وجہ ہے آپ مجھے کیوں اتنا پیار کرتی ہیں؟ کہنے لگے کہ یہ الفاظ کہنے تھے کہ اس بڑھیا کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ بڑھیا کہنے لگی ایک میرا بیٹا بھی تھا جو بالکل تمہاری شکل صورت کی مانند تھا۔ بچے جب کبھی تم میرے سامنے آتے ہو مجھے اپنا بیٹا یاد آجاتا ہے، میں تمہیں پانی پلاتی ہوں، میں تصور کرتی ہوں کہ اپنے بیٹے کو پلا رہی ہوں، کھانا تمہیں کھلاتی ہوں تصور بیٹے کا، تمہارے آنے سے مجھے بیٹے کی یاد آجاتی ہے۔ اب سوچیے! اگر ایک ماں کو بیٹے سے مشابہت رکھنے والے بندے کو دیکھ کر اپنے بیٹے کی یاد آجائے

تو ہم بھی تو سنت کو ایسا اپنائیں کہ جب ہم اللہ کے سامنے پہنچیں تو اپنے محبوب کی یاد آ جائے۔

ماں بیٹے کی تصویر کو بھی آگ میں نہیں جلاتی:

اور یہ بات پکی ہے کہ اگر ماں کے پاس بیٹے کا فوٹو ہے، اس نے کارڈ بنانے کے لیے بنوایا تھا تو ایک فالتو تھا ماں کے پاس، اب ماں کو کہیں تا کہ اس فوٹو کو آگ میں ڈال دو تو کبھی بھی تیار نہیں ہو گی۔ بھئی کیوں نہیں ڈالتی؟ میں بیٹے کی تصویر کو کیوں ڈالوں۔ اگر ایک ماں اپنے بیٹے کی تصویر کو آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی تو کیا قیامت کے دن اللہ رب العزت اپنے پیارے محبوب کی تصویر کو جہنم میں ڈالنا پسند فرمائیں گے؟ کوئی بندہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہت رکھنے والا ہو گا تو کیا اللہ کے محبوب کی مشابہت والے بندے کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالیں گے؟ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ہر عمل میں سنت کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔ انسان ہیں فرشتے نہیں ہیں لیکن کوشش کریں گناہوں سے توبہ کریں اور اپنی طرف سے کوشش میں لگے رہیں، یہ پوری زندگی کا کام ہے۔ جتنی سنت کے مطابق زندگی بنتی جائے گی، اللہ رب العزت کے محبوب بنتے چلے جائیں گے۔

احمقوں کی خاطر محبوب کی سنت کو چھوڑ دوں؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو یہ حال تھا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فارس کی طرف گئے دستر خوان پر کھانا کھا رہے ہیں، لقمہ نیچے گر گیا، انہوں نے اٹھایا، دستر خواں سے اور صاف کر کے کھا لیا۔ ساتھ والے نے کہا کہ یہاں والے لوگ اس چیز کو پسند نہیں کرتے، جیسے یہ کہا، حذیفہ بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا:

((اَاَتْرُکُ سُنَّةَ حَبِیْبِیْ لِھٰؤُلَآءِ الْحُمَقَآءِ))

''کیا ان احمقوں کی خاطر میں اپنے محبوب کی سنت کو چھوڑ دوں؟''

کتنی محبت ہو گی سنت سے؟ آج نوجوان طلبا کو معاشرے کے کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، داڑھی رکھ لی، ملا بن گیا، ملونٹا بن گیا، جو بھی ایسی بات کرے دل میں کہہ دیا کرو!

((اَاَتْرُکُ سُنَّةَ حَبِیْبِیْ لِھٰؤُلَآءِ الْحُمَقَآءِ))

''ان احمقوں کی خاطر میں اپنے حبیب کی سنت کو کیوں چھوڑ دوں؟''

لوگ کہتے ہیں کہ او جی یہ لوگ چلتے پھرتے آثارِ قدیمہ نظر آتے ہیں، ٹھیک ہے بھئی تمہیں آثار قدیمہ نظر آتے ہیں مگر یہ آثار آج سے چودہ سو سال پہلے کے ہیں، قیامت کے دن اللہ رب العزت کو جب یہ آثار نظر آئیں گے تو اللہ رب العزت اس بندے سے محبت فرمائیں گے۔ یہ دنیا میں چلتا پھرتا میری محبوب کی سنتوں کا نمونہ تھا۔

اکابر علمائے دیوبند کی اتباعِ سنت:

چنانچہ ہمارے اکابر علمائے دیوبند ہر عمل میں سنت کی اتباع کرنے میں امتیازی شان رکھتے تھے۔

⊙.....حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے فرنگی نے پولیس لگا دی کہ ان کو گرفتار کرو۔ وارنٹ گرفتاری جاری کر دیا، حضرت کو پتہ چل گیا، چنانچہ حضرت چھپ گئے، جان بچانی تو ہر بندے پر فرض ہے۔ لوگ سمجھے کہ ابھی کچھ عرصہ روپوشی میں رہیں گے اور تین دن کے بعد جو دیکھا تو حضرت پھر سب کے ساتھ، حضرت! آپ کے پیچھے تو فرنگی لگا ہوا ہے، فرمایا! ہاں۔ پھر آپ کیوں منظر پر آ گئے۔ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی کو دیکھا تو مجھے تین دن غارِ ثور کے روپوشی کے نظر

آئے۔ اس کے بعد نہیں۔ میں نے بھی اسی سنت پر عمل کیا، تین دن روپوش ہونے کے بعد میں پھر باہر چلا آیا۔ جب جان پہ بنی ہوئی ہو اس وقت بھی سنت کو پسند کر لینا، سینے سے لگا لینا، یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

⊙ ...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سنت کے عاشق تھے۔ ایک دفعہ ان کا قریبی عاشق تھا، دوست تھا، کہنے لگا: جناب! آداب۔ حضرت نے فرمایا: یہ کون ہے؟ اتنے زور سے ڈانٹا، فرمایا: تمہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت السلام وعلیکم نہیں آتی۔ اتنا ڈانٹا کہ سلام کرنا ہے تو محبوب کے طریقے کے مطابق کرو۔

⊙ ...... حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب عشا کے وتر پڑھ لیتے تو بعد کے نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ایک عالم نے کہا کہ حضرت بیٹھ کر نفل پڑھنے کا ثواب آدھا اور کھڑے ہو کر نفل پڑھنے کا ثواب پورا۔ حضرت نے فرمایا: ہاں میں آدھا ثواب قبول کرلوں گا مگر عمل اسی طرح کروں گا جس طرح میرے آقا نے فرما دیا۔ سنت کے عاشق تھے جب کبھی نیا پھل آتا تو حضرت اقدس اس پھل کو خوشی سے دیکھتے، اس کی خوشبو کو سونگھتے اور مجلس میں جو سب سے چھوٹی عمر کا بندہ ہوتا، اس کو دیتے چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت یہی ہے۔

⊙ ...... چنانچہ ایک مرتبہ میاں اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے۔ تشریف لائے اور آکے سلام کیا، مصافحہ کیا اور پوچھا کہ بھئی کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہوں انہوں نے فرمایا:

((لَا بَأْسَ طُهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ)) (البخاری، رقم: ۳۴۲۰)

اور چل پڑے۔ لوگوں نے کہا: بس اتنی دیر عیادت کرنی تھی۔ فرمایا:

((اَلْعِيَادَةُ فَوَاقَ نَاقَةٍ)) (کنز العمال، رقم: ۲۵۱۵۵)

حدیث میں چونکہ یہی الفاظ تھے، وہ الفاظ کہہ کر بتا دیا کہ میں نے یہ عمل سنت کے بالکل مطابق کیا۔

⊙...... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سرکہ محبوب تھا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی سرکہ استعمال فرماتے تھے۔ حالانکہ ایک مرتبہ جسم پر دانے نکل آئے لیکن سر کے کے استعمال کے اہتمام میں کمی نہ ہونے دی۔

⊙...... حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تہجد پڑھتے تھے اور نماز میں حالت وہ ہوتی تھی کہ جیسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ جیسے ہنڈیا ابل رہی ہوتی تھی، تہجد کے بعد سسکیاں لے لے کر روتے تھے۔ فجر کی نماز طوال مفصل کے ساتھ پڑھاتے تھے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ لوگوں نے کہا کہ جی دارالعلوم میں پھول لگواؤ! فلاں لگواؤ! علما نے کہا تو بہت سارے لوگوں کی فرمائش پر یہ چیزیں لگوا دیں۔ حضرت نے کہا کہ کیکر کا درخت لگواؤ۔ اب علما کو سمجھ نہ آئے۔ بھائی زیبائش کے لیے خوبصورت درخت ہیں، پھل دار درخت ہیں، پھولدار درخت ہیں، کیکر سے تو کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ملتا اور حضرت نے فرمایا کہ دارالعلوم کے اس گلستان میں کیکر کا درخت لگاؤ۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! کیکر کا درخت کیوں؟ فرمایا کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیعت رضوان کیکر کے درخت کے نیچے لی تھی۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس درخت کو دیکھوں مجھے محبوب کا عمل یاد آ جائے

⊙...... چنانچہ حضرت مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب بات کیا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ سنت کے مطابق پاخانہ کرنا نفلی عبادتوں سے اللہ کے ہاں زیادہ محبوب ہے۔

تو ان اکابر کے اندر سنت کی اتنی اتباع تھی، ہم بھی اپنے اندر اسی اتباع کو پیدا کریں اور مدرسے میں رہتے ہوئے یہی عمل ہم نے سیکھنا ہے، ہمارا ہر قول، ہر فعل،

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے مطابق ہو۔

وہی سمجھا جائے گا شیدائے جمال مصطفیٰ
جس کا حال حال مصطفیٰ ہو قال قال مصطفیٰ

قول اور فعل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے بالکل مطابق ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشاہدہ:

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں روضۂ انور پہ حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ جو لوگ حدیث کا علم سیکھتے ہیں ان کے سینے میں حدیث کا نور ہوتا ہے۔ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک سینے سے سورج کی کرنوں کی طرح نور کی شعائیں نکلتی ہیں اور ان لوگوں کے دلوں کو منور کر دیتی ہیں۔ ہم بھی ہر عمل سنت کے مطابق کریں گے تو یقیناً نبوی فیوضات ہمیں بھی نصیب ہوں گے۔

عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور اتباع سنت:

عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی زندگی کو کئی سال قریب سے دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں ایک فرق تھا۔ وہ کیا؟ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کے دیدار کا شرف حاصل تھا اور عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ان کی زندگی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ ہمارے اکابر ہمارے ہر ہر عمل میں کیسے سنت کا خیال کرتے ہوں گے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ سنت کا لحاظ کرتے تھے ایک ایک کام میں چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔

ہر وقت سنت کا خیال:

چنانچہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دانت میں درد تھی، آپ نے ایک عالم سے فرمایا کہ بھئی لونگ لے کر آؤ۔ پہلے زمانے میں لونگ دانت کے اندر رکھتے تھے تو جہاں (کھوڑ) Cavity ہوتی تھی تو ذرا آرام آجاتا تھا۔ وہ صاحب چار لے کر آ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھو! صوفی بنے پھرتے ہیں اور ان کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ

((اِنَّ اللّٰہَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ)) (الدارمی، رقم:۱۵۸۰)

''اللہ تعالیٰ وتر ہیں اور وتر کو پسند کرتا ہے''

ایک تین پانچ سات، ان اعداد کو اللہ پسند فرماتے ہیں۔ یعنی اتنے چھوٹے سے عمل میں بھی اس کو چاہیے تھا کہ تین لاتا یا پانچ لاتا۔ اب ذرا غور کیجیے کہ لونگ کے اٹھانے میں بھی اس کا خیال کہ سنت کے مطابق ہو۔ ہر وقت ذہن میں یہی رہے اور واقعی جو انسان دنیا میں ایسا سنت کا شیدائی ہوگا، اگر اس سے کوئی خطا بھی ہوئی ہو گی تو پھر قیامت کے دن نبی علیہ السلام کی شفاعت کا بھی وہی حق دار بنے گا۔

حافظ کی شفاعت کے مستحق لوگ:

اب ذرا مسئلہ سن لیجیے: جو بچہ حافظ بنتا ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس کو دس آدمیوں کی شفاعت کی اجازت ملے گی مگر اس پر علما نے تفصیل لکھی کہ دس آدمی ہوں گے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب بھی بچہ حافظ بنتا ہے تو اس کے جو قریبی رشتہ دار متعلقین ہوتے ہیں وہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو اس چیز کو اچھا نہیں سمجھتے، وہ اس بچے کو کہتے ہیں: کیا مولوی بن رہے ہو؟ ملا بن گئے ہو، مدرسے میں چلے گئے، تم سکول میں پڑھتے، انگریزی تعلیم پاتے، انجینئر ڈاکٹر

پائلٹ بنتے، فلاں بنتے۔ وہ اس بچے کو Discourage (حوصلہ شکنی) کرتے ہیں۔ اس کے اس عمل کو وہ خوشی کی نظر سے نہیں دیکھتے، وہ سمجھتے ہیں کہ ماں باپ نے پتہ نہیں اس کو کس جگہ میں ڈال دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جتنے بھی لوگ اس کی مخالفت کرنے والے اور اس کو اچھا نہ سمجھنے والے ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں جو اپنے آپ کو اس بچے کی شفاعت سے محروم کرنے والے ہوں گے۔

اور کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ کلماتِ تحسین کہتے ہیں۔ ماشاء اللہ کتنے پارے کر لیے، حافظ بن گئے؟ بڑا اچھا کر رہے ہو! مدرسے جاتے ہو! اللہ تمہاری مدد کرے! دعائیں دیتے ہیں، اس کی بات سن کر خوش ہوتے ہیں۔ جتنے لوگ اس کے حفظ کرنے پر خوش ہوں گے ان میں سے دس بندوں کو شفاعت کے ذریعے یہ حافظ جنت میں لے کے چلا جائے گا۔

نبی علیہ السلام کی شفاعت کے مستحق لوگ:

اسی طرح معاشرے میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں، کچھ وہ ہوتے ہیں جو سنت سے محبت کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو سنت کو اچھا نہیں سمجھتے، جو سنت پر عمل کرنے والوں کو پرانے دماغ کے لوگ سمجھتے ہیں۔ جس نے سنت کو ایسا سمجھا تو اس نے گویا اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کی شفاعت کے حق سے محروم کر لیا۔ اور جو بندہ سنت سے محروم ہو مگر اپنے آپ کو مجرم سمجھے اور کہے کہ میں اپنے نفس کی وجہ سے گناہ کر رہا ہوں مگر اصل تو یہی ہے، سنت یہی ہے، ہونا یہی چاہیے۔ علما کا ساتھ دے، جو عالم بننے والے ہوں ان کی سرپرستی کرے، ان سے محبت کرے۔ یہ سنت سے محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے، قیامت کے دن اگر کوئی کوتاہیاں بھی لے کر آئیں گے تو اللہ کے محبوب ﷺ سنت کی اس محبت کی وجہ سے ان کی شفاعت

فرمائیں گے۔اور جو سنت کا استخفاف کرے گا، اس کو تو موت کے وقت کلمہ بھی نصیب نہیں ہوگا۔اگر کسی سنت پر کوئی عمل نہ کر سکے تو اپنے آپ کو مجرم سمجھے، تاویل نہیں کرنی چاہیے، ہاں یہ کہنا چاہیے کہ بھئی میرا اپنا نفس کمزور ہے، میں اتنا عمل نہیں کر سکا مگر میرے دل کی تمنا ضرور ہے۔ جب یہ کہیں گے تو پھر اللہ رب العزت کی طرف سے رحمت ہوگی۔ اللہ رب العزت اپنے حبیب ﷺ کی قیامت کے دن شفاعت عطا فرمائیں گے۔اللہ اکبر کبیرا

خلافِ سنت کام سے نبی علیہ السلام کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے:

چنانچہ ایک شاعر تھے، انہوں نے فارسی زبان میں کچھ اشعار لکھے۔ایران کے کسی بزرگ نے جب وہ اشعار پڑھے تو ان کو بڑے اچھے لگے۔انہوں نے نیت کی کہ میں اس شاعر کو جا کر ملوں گا اور دیکھوں گا۔ جب وہ ملنے کے لیے آئے تو یہ شاعر صاحب حجام کی دکان میں بیٹھے ہوئے داڑھی کٹوا رہے تھے۔اب یہ ایرانی بزرگ تو کچھ اور ہی تصور لے کر آئے تھے،اس دیکھا تو کہا:

''ریش می تراشی'' تم داڑھی مُنڈوا رہے ہو؟

اس پر اس شاعر نے جواب دیا:

''ریش می تراشم بلے دلِ کسے نہ می خراشم''

میں ریش تر شوا رہا ہوں کسی بندے کا دل تو نہیں دکھا رہا۔

اس نے کہا: نہیں! میرے دوست!

''بلے دلِ رسول اللہ ﷺ می خراشی''

تم نبی علیہ السلام کے قلب کو تکلیف پہنچا رہے ہو۔

جب انہوں نے یہ بات کی شاعر کے دل پر چوٹ پڑی، ان کے اوپر عجیب

کیفیت طاری ہوگئی، اس نے سچی توبہ کر کے کہا:

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی

مرا باجانِ جاں ہمراز کردی

''تجھے اللہ جزا دے تو نے میری آنکھوں کو کھول دیا۔ تو نے مجھے میرے جان جاں سے ہم راز بنا دیا''

تو سنت کے ٹوٹنے سے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر ہم سنت کے خلاف کام کریں گے تو اللہ کے نبی ﷺ کو تکلیف پہنچائیں گے۔

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے، روزانہ ایک لاکھ مرتبہ درود شریف پڑھ کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدیہ بھیجتے تھے۔ یہ ان کا معمول تھا۔ ایک رات ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی، انہوں دیکھا کہ اللہ کے نبی ﷺ سامنے ہیں مگر آپ کے سینے مبارک پر کچھ زخم کے سے نشانات ہیں۔ حیران پریشان! اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ آپ کے سینۂ انور پر نشان کیسے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میری سنتوں کو توڑتے ہیں میرے سینے پر زخم لگاتے ہیں اور مجھے دکھ پہنچاتے ہیں۔ میری سنت کو توڑ کر میرے سینے کو زخم لگاتے ہیں۔

پھولوں سے زخم:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کافروں نے بھی تکلیف پہنچائی مگر وہ تو پرائے تھے، وہ تو کافر تھے۔ ہم تو نبی علیہ السلام کے امتی ہیں، اپنے سمجھے جاتے ہیں، اپنے جب تکلیف پہنچاتے ہیں تو انسان کو دکھ زیادہ ہوتا ہے۔ کہنے والوں کہا:

کہ تم تو غیروں کی بات کرتے ہو

ہم نے تو اپنے بھی آزمائے ہیں

لوگ کانٹوں سے بچ نکلتے ہیں
ہم نے پھولوں سے زخم کھائے ہیں

آپ سوچیے تو سہی! طالب علم ہو، حدیث پڑھنے والا ہو، حدیث پڑھانے والا استاد ہو اور پھر سنت کو نظر انداز کر دے، تو اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کیا گزرتی ہو گی۔ اگر کل قیامت کے دن اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا کہ مجھے تکلیف کافروں نے بہت پہنچائی، مجھے طائف کا دن یاد ہے، جب وہ اپنے شہر میں کھڑے نہیں ہونے دیتے تھے، میں زخموں سے چور تھا اور تھک کر بیٹھ گیا تھا۔ نو سال کے بعد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تھا تو میں نے بتایا تھا کہ حمیرا اس دن کی تکلیف مجھے آج بھی محسوس ہو رہی ہے، مجھے تکلیف یاد ہے مگر وہ کافروں نے پہنچائی تھی، یہ تکلیف تو مجھے اپنوں نے پہنچائی، جو میرا نام لے کر دنیا میں کھانے والے، میرا نام لے کر دنیا میں عزتیں پانے والے، وہ اگر سنت کو نظر انداز کریں تو پھر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے کیا معاملہ کیا!

سنت کا غم کیوں نہ کھایا؟

لہٰذا اگر قیامت کے دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ غیر جب اپنی چیزوں کو متعارف کرا رہے تھے، آج کفر نے سیل فون بنا کر ہر کچے اور پکے مکان میں پہنچا دیا، تاجر سے لے کر بکریاں چرانے والے تک پہنچا دیا، مسجد سے لے کے بیت اللہ کے دروازے تک پہنچا دیا۔ آپ بیت اللہ کے دروازے پر دعا مانگنے کھڑے ہوں آپ کو وہاں بھی کسی نہ کسی سیل فون کی رنگ سنائی دے گی۔ اللہ کے نبی پوچھیں گے جب کافروں نے اپنی چیزوں کا تعارف اتنا کروایا تھا، بتاؤ تم نے میرے اسلام کا تعارف کروایا، قرآن کا تعارف کروایا، میری سنت کا تعارف کروایا۔ لوگوں کے ہاتھ میں تانبا

تھا انہوں نے تانبے کو سونا بنا دیا، تمہارے ہاتھ میں تو سونا تھا تم نے سونے کو کیوں نہ لوگوں کے سامنے پیش کیا، میری سنت کا غم کیوں نہ کھایا؟ اگر اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے؟ اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی سوال کر دیا کہ بتاؤ میں عرفات میں رویا، اپنی بیویوں کے لیے نہیں، اپنے بچوں کے لیے نہیں، اپنی امت کے لیے رویا۔ منیٰ میں امت کے لیے رویا، مزدلفہ میں امت کے لیے رویا، حطیم میں امت کے رویا، میں غلافِ کعبہ کو پکڑ کر امت کے لیے رویا، میں اتنی لمبی اللہ کی عبادت کرتا تھا۔

((حَتّٰى تَوَرَّمَ قَدَمَاهُ))

یہاں تک کہ ان کے قدموں پر ورم آجاتا تھا

پھر اس کے بعد میں دعائیں مانگتا تھا، میری ریش تر ہو جاتی تھی، میں امت کے لیے رویا، میرے امتیو! تم نے میرے ان آنسوؤں کی کیا قدر کی؟ تم اپنے ہاتھوں سے میری سنتوں کو توڑ دیتے تھے۔ جب تمہارے گھروں میں شادی کا موقعہ آتا تھا تو تم آپس میں مشورے کرتے تھے کہ فلاں چچا ناراض ہے، اس کی بھی منت کر کے منا لیا جائے، خالہ ناراض ہے، اس کو بھی منا لیا جائے، فلاں دور کا رشتہ دار خفا ہے، اس کو بھی منا لیا جائے، تم سب کو مناتے تھے حتیٰ کہ گھر کا ڈرائیور ناراض ہوتا اس کو بھی منا لیتے، گھر کا نوکر ناراض ہوتا، اس کو منا لیتے، گھر کی ماسی ناراض ہوتی، اس سے بھی معافی مانگ کے منا لیتے تھے کہ شادی کا موقعہ ہے سب کو منا لو۔ تم سب کو مناتے تھے لیکن جب شادی کا وقت آتا تھا میری سنتوں کو گھر سے نکال دیتے تھے، کاش! تم نے مجھے بھی منا لیا ہوتا، گھر کے خادموں کی طرح تم نے میرا اتنا بھی خیال نہ رکھا۔ اب کل قیامت کے دن اللہ کے نبی ﷺ نے پوچھ لیا کہ تمہارے گھر میں ایک روپے کا بلب

بچہ توڑ دیتا تھا، ماں تھپڑ لگا دیتی تھی لیکن میری سنت کو چھوڑ دیتا تھا کوئی بھی نہیں پوچھتا تھا، تم نے میری سنت کی ویلیو ایک روپے کے برابر بھی نہ کی، آج میں تمہاری شفاعت کیسے کروں؟ سوچو تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟ ہمیں واقعی آج اس کا احساس کرنا چاہیے اپنے ہر عمل کو سنت کے مطابق کرنا چاہیے۔

سونا نہیں سنت چاہیے:

چنانچہ ایک بچی جو کسی جامعہ سے پڑھ کے فارغ ہوئی اس کی جب شادی کا وقت آیا اس کا باپ بڑا صنعت کار تھا، بڑا انڈسٹریل تھا، اس نے اس کا ایک انڈسٹریل کے بچے سے رشتہ کیا، بچی سے بات کرتے ہوئے کہنے لگا: بیٹی! ایسی جگہ رشتہ کیا ہے خاوند تجھے سونے سے لاد دے گا، جب باپ نے یہ بات کی اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا: ابو! مجھے سونا نہیں چاہیے، نبی ﷺ کی سنت چاہیے، اگر کل قیامت کے دن یہ بچی کھڑی ہوگی کہ اس نے یہ جواب دیا تھا۔ اور باقی عالمات فاضلات سے اللہ پوچھیں گے بتاؤ تم نے سنت سے ایسی محبت کیوں نہ کی؟ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائیں گے قرآن کے حافظو! قاریو! اے علماؤ! تم تو میرے وارث کہلاتے تھے، بتاؤ تم نے میری سنت پر کتنا غم کھایا؟ میری سنت پر کتنا عمل کیا؟ بتائیں ہم اس وقت کیا جواب دیں سکیں گے؟ اللہ کے نبی علما سے فرمائیں گے، تم نے وفا کرنی تھی تم زندگی میں جفا کر کے آئے اور جس نے جفا کرنی تھی وہ مجھ سے وفا کر کے آئے، تو واقعی بات ایسی ہی ہے۔ کہنے والے نے کہا:

کسی غم گسار کی محنتوں کا عجیب میں نے صلہ دیا
جسے میرے غم نے گھلا دیا اسے میں نے جی سے بھلا دیا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے غم میں گھل جاتے تھے، آج ہم ان کو بھول جاتے ہیں۔ ہمیں نہ کھاتے ہوئے سنتیں یاد ہوتی ہیں، نہ لباس میں بلکہ فیشنوں کے دل دادہ اور کفار اور فرنگیوں کے طریقوں کو اپنانے کے لیے خوش ہوتے ہیں۔ آج امت کا اکثریت کا حصہ اسی طرح کی زندگی گزار رہا ہے۔ ایسے میں مدارس میں زندگی گزارنے والے نوجوان بچوں پر ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے، مدارس میں پڑھنے والی بچیوں پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ایک سنت کو اپنی نواجذ کے ساتھ پکڑ لیں۔

عَضُّوْا عَلَيْهِ بِالنَّوَاجِذِ

دانتوں سے جیسے کسی چیز کو پکڑ لیتے ہیں یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو سینے سے لگا لیں۔ آپ کے طریقوں کو اس طرح پکڑ لیں تاکہ کل قیامت کے دن نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوں کہ یہ میرے طریقوں پر چلنے والا، میری سنت پر چلنے والا ہے۔

سو شہید کا ثواب:

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس کے بعد جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے، اس کا ثواب اس بندے کے نامۂ اعمال میں ڈالا جائے گا۔ آج ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سنتوں پر عمل کریں، نبی علیہ السلام کی مبارک سنتوں کو اپنائیں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قیامت کے دن آپ کی شفاعت کو پائیں اور اگر ہم نے آج سنت کو چھوڑ دیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ تم میں اور کافروں میں اتنا فرق تھا کہ کافر میرے مجسمے بناتے تھے، تصویریں بناتے تھے، کارٹون بنا کر میرا مذاق اڑاتے تھے اور تم میری سنت کا مذاق اڑاتے تھے، فرق تو تھوڑا ہی تھا۔

اتباعِ سنت پر حوضِ کوثر کا جام:

آج وقت ہے اللہ کے نبی سے وفا دکھانے کا۔ ان کی شفاعت کا سہارا ہے، اگر انہوں نے کہہ دیا:

﴿ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (الفرقان:۳۰)

تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟ ہم اپنے سراپا کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنت کے مطابق بنالیں۔ تا کہ اگر ملک الموت آئے، ہمارے اعضا کو ٹٹولے سنتِ نبوی سے مزین نظر آئیں، ہمارے دل کو ٹٹولے عشق نبوی سے بھرا نظر آئے اور ہم کل قیامت کے دن محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر دیکھیں، ہاں میری سنت کا شیدائی، میری طریقوں کو اپنانے والا، میرے نقشِ قدم پر چلنے والا، آج آ گیا ہے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے حوضِ کوثر کا جام عطا فرمائیں، اللہ کے سامنے جب حاضری ہو ہم اس وقت اللہ سے یہ کہہ رہیں ہوں ؎

تیرے محبوب کی یا رب شباہت لے کر آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

اے کریم آقا! آج ہمارے پاس صورت ہے، اس کو حقیقت بنا لیجیے، ہمارے سینوں کو اپنے محبوب کی محبت سے بھر دیجیے اور ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرما لیجیے۔ قیامت کے دن کی کامیابی اور دنیا کی عزتیں اسی سنت کے ساتھ وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سنت کی سچی محبت نصیب فرمائے، ہماری زندگی کا آخری حصہ سنت کے مطابق بن جائے۔ جو اللہ کو پسند آ جائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾

(الذاریات:۴۷)

بیان: محبوب العلماء والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 4 جون 2010ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خطبہ جمعۃ المبارک

اللہ سب سے بڑا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ (الذاریات:۴۷)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم

انسان......اللہ کی قدرت کا شاہکار:

انسان اللہ رب العزت کی قدرت کا شاہکار ہے، جتنا اپنے اوپر غور کرتا چلا جائے اتنا اسے اپنے مالک اور خالق کی عظمت کا احساس ہوتا جائے گا۔ سر سے لے کر پاؤں تک ہمیں اللہ رب العزت کی بے انتہا نعمتیں ملی ہیں۔

اس پروردگار نے ہمیں آنکھوں کی نعمت سے نوازا، آج ہم چیزوں کو ان کی خوبصورتی کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔ انسان بھی دوسری چیزوں کو دیکھتا ہے اور دوسرے جاندار بھی چیزوں کو دیکھتے ہیں مگر دونوں کے دیکھنے میں فرق ہے۔ مثال کے طور پر سانپ انسان کو دیکھتا ہے مگر اس کو انسان کی شکل پوری نظر نہیں آتی، اس کو اتنا احساس ہوتا ہے کہ یہاں کوئی زندہ چیز موجود ہے۔ شیر بھی انسان کو دیکھتا ہے، ہاتھی بھی دیکھتا ہے مگر وہ اس باریک بینی کے ساتھ نہیں دیکھ پاتے کہ جس طرح ہماری نظر انسان کو دیکھتی ہے، ہم تو انسان کے چہرے کو دیکھتے ہیں، اس کی خوبصورتی، اس کی لطافت اس

کی نزاکت وہ ہمیں پوری کیفیت کے ساتھ نظر آتی ہے۔ ہم اس درجے کی خوبصورتی کو دیکھ کر اسی انداز سے اللہ رب العزت کی نعمت کا احساس کر سکتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے ہمیں ہاتھ کی نعمت سے نوازا اور مخلوق کو یہ نعمت نہیں دی۔ بندروں کے ہاتھ تو ہوتے ہیں لیکن اس کا انگوٹھا اس طرح کام نہیں کرتا جس طرح انسان کا انگوٹھا کام کرتا ہے۔ لہٰذا وہ چیزوں کو اس طرح نہیں پکڑ سکتا جس طرح انسان پکڑ سکتا ہے۔ انسان کو دیکھو! اللہ رب العزت نے دو ہاتھ دیے وہ ان دو ہاتھوں سے کیا کیا کام کر دیتا ہے۔ چلنے کے لیے دو پاؤں دیے، سماعت دی، بصارت دی، گویائی دی۔

جانور بھی ایک دوسرے سے ہم کلامی کرتے ہیں مگر اشاروں کے ساتھ، انسان بھی ہم کلامی کرتا ہے، مگر فصاحت اور بلاغت کے ساتھ۔ انسان کے طرزِ بیان کو دیکھیں تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ! آپ نے کیفیات کو Express (بیان) کرنے کی کیا نعمت بندے کو عطا کی۔ انسان کس طرح اپنی محبت کا اظہار دوسرے سے کرتا ہے اور جس انداز میں کرتا ہے وہ حیران کن ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کو عقل کی نعمت سے نوازا، یہ نعمت اور مخلوق کے پاس نہیں ہے؟ ہے مگر بہت تھوڑے پیمانے پر ہے۔ انسان کو یہ کامل نعمت ملی ہے جس کی وجہ سے انسان زمین و آسمان کی Micro Detail (چھوٹی سے چھوٹی جزئیات) کو پرکھنے اور جاننے کی کوشش کرتا ہے۔

انسان چھوٹا ہے:

آج بھی اس مادی دنیا میں انسان نے کیا کیا چیزیں ایجاد کر دیں۔ تو جب ان تمام چیزوں پر غور کرتے ہیں تو دل میں یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان بڑا ہے مگر کچھ

زندگی کے لمحات ایسے بھی ہوتے ہیں جب انسان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں بڑا نہیں ہوں میں چھوٹا ہوں۔ مثال کے طور پر:

آپ سمندر کے کنارے کھڑے ہیں اور سمندر کی لہروں کو آتا دیکھتے ہیں۔ High tide (مدوجزر) جسے کہتے ہیں، سمندر کا پانی اچھل اچھل کر آرہا ہوتا ہے۔ اس وقت اگر غور کریں کہ اتنا زیادہ پانی، اس کو پندرہ فٹ اونچا اچھالنے کے لیے کتنی طاقت کی ضرورت ہے، اس کے لیے کتنے پاور ہاؤس لگانے پڑیں گے۔ تو انسان کو محسوس ہوتا ہے کہ میں تو بہت ہی چھوٹا ہوں، اتنے بڑے سمندر کی لہروں کو پندرہ فٹ اچھال کر رکھ دینا یہ آسان کام نہیں ہے۔ اور انجینئرنگ سے تعلق رکھنے والے جو لوگ ہیں وہ اس چیز کو سمجھتے ہیں کہ اس کے لیے Propelling Force (اچھال کی قوت) کتنی ہونی چاہیے۔ اربوں کھربوں ٹن وہ طاقت ہوگی جو سمندر کی اتنی بڑی پانی کی مقدار کو ہوا میں دس سے پندرہ فٹ اچھال رہی ہے۔

یا پھر کبھی ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہو کر اوپر دیکھیں تو پہاڑ کی بلندی پر نظر ڈال کر یہ احساس ہوتا ہے کہ میں تو بہت ہی چھوٹا ہوں۔

زمین انسان سے بڑی:

لامحالہ ذہن میں ایک تصور پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی مجھ سے بھی بڑا ہے۔ تو اس کا جواب ہے، جی ہاں زمین ہم سے بھی بڑی ہے۔ کتنی بڑی ہے؟

اس کا Diameter (قطر) چوبیس ہزار میل ہے۔

زمین کا توازن (Balance):

یہ ایک ہزار میل فی گھنٹہ کے اعتبار سے گھوم رہی ہے۔ ہم گاڑی میں سفر کرتے

ہیں تو اس کی ڈیڑھ سو کلو میٹر سپیڈ ہوتی ہے یا ایک سو بیس کلو میٹر۔ اس کے اندر تھوڑی سی بھی Vibration (ارتعاش) ہو تو گاڑی میں بیٹھ نہیں سکتے، گاڑی میں بیٹھتے ہی دوسرے لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یار تمہاری گاڑی کا ویل بیلنس ٹھیک نہیں ہے، جھٹکے لگ رہے ہیں۔ جب جا کر مشین کے اوپر اس ویل کو چڑھاتے ہیں تو چند گرام کا فرق نظر آتا ہے۔ چند گرام کے فرق نے پوری کار کو جھٹکے دے دیے۔ زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے، اتنا اس کا پرفیکٹ بیلنس ہے کہ ہمیں اس کے چلنے کا احساس ہی نہیں۔ اتنا اس کا ویل بیلنس کیا اللہ نے کہ ہمیں اس کے چلنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اس وقت ہم زمین پر بیٹھے ہیں تو کیا احساس ہو رہا ہے کہ زمین چل رہی ہے؟ ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ یہ زمین کتنی عجیب چیز ہے! اچھا یہ ایک ہزار میل فی گھنٹہ کے حساب سے گھوم رہی ہے اور چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا کرتی ہے تو دن اور رات آتے ہیں، ہمیں اس کے چلنے کا احساس ہی نہیں۔ بلکہ اگر کسی کو بتایا جائے کہ زمین چل رہی ہے تو وہ حیران اور پریشان ہوتا ہے کہ کیا یہ ٹھیک بھی کہہ رہا ہے یا نہیں۔ بنانے والے نے اس زمین کو اتنا Precise (درست) بیلنس کیا کہ ٹنوں کے حساب سے وزن ادھر سے ادھر move (منتقل) ہوتا ہے زمین کے بیلنس میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

ہوائی جہاز کے اندر سفر کر رہے ہوں تو اس میں اگر دو چار بندے کھڑے ہو جائیں اور چلنا شروع کر دیں تو جہاز کے بیلنس میں فرق آجاتا ہے۔ ہوائی جہاز کے اندر دو ٹینک ہوتے ہیں جن میں تیل ہوتا ہے، ایک بندہ اگر پیچھے سے چل کر آگے کی طرف جاتا ہے تو تیل کی اتنی مقدار ایک ٹینک سے دوسرے ٹینک میں چلی جاتی ہے اس کو بیلنس کرنے کے لیے۔ اب آپ سوچیے کہ ایک بندے کا ایک جگہ سے دوسری

جگہ حرکت کرنا اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ جہاز کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے دوسری طرف اتنا بوجھ ڈالنا پڑتا ہے۔ تو زمین کا بیلنس دیکھو اللہ نے کیسا بنایا؟

زمین، رزق کا بنیادی ذریعہ:

پھر اللہ رب العزت نے اس زمین میں ہماری روزی رکھی ہے۔ جسم کو اللہ نے مٹی سے بنایا اور مٹی میں اس کی روزی رکھ دی۔

﴿وَبَارَكَ فِيهَا وَ قَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ﴾ (حم السجدۃ:۱۰)

''میں نے چار دنوں میں اس زمین کے اندر تمہارے لیے برکت رکھ دی''

کیا برکتوں کی انتہا ہے! جو بھی جسم کی ضرورت ہے وہ زمین سے پوری ہو رہی ہے۔ پانی زمین سے، گندم کی فصل زمین سے، لباس بنا، کاٹن کی فصل زمین سے، مکان بنا تو پتھر زمین سے، لکڑی زمین سے، شیشے کا میٹریل زمین سے، لوہا زمین سے، کھانے پینے کے لیے نمک کی ضرورت ہے تو زمین سے، چینی بناتے ہیں تو گنا زمین سے، انسان کو پھلوں کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ سب زمین سے، سبزی کی ضرورت ہوتی ہے تو زمین سے، غرض انسان کے بدن کی جو بھی ضرورت ہے اس پروردگارِ عالمنے اس کو زمین کے اندر رکھ دیا۔

اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ اگر زمین سے اس چیز کو استعمال کرنے لگ جائیں تو پھر اس کی کمی ہو جانی چاہیے۔ آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک آخر درخت پودے زمین سے نمکیات لے رہے ہیں تو نمکیات کم ہو جانے چاہئیں۔ اس پروردگار نے نمکیات کا ایسا بیلنس بنایا کہ کم نہیں ہوتے۔

جنگلوں کو دیکھو! درخت خوب لگ رہے ہیں، باغوں کو دیکھو! خوب لگ رہے ہیں، کھیتوں کو دیکھو! تو سبزیاں اگ رہی ہیں۔ زمین کے اندر پھر نمکیات موجود ہیں۔

نہ اللہ نے اتنا زیادہ ہونے دیا کہ جیسے کلر والی زمین ہوتی ہے کہ انسان بیج ڈالے تو بیج ہی مرجائے، کوئی چیز اگتی ہی نہیں، نہ اللہ نے کیمیکل کو اتنا کم ہونے دیا کہ بیج ڈالو تو پودا ہی نہ اگے۔ نہ کم نہ زیادہ۔ ایک توازن کو رکھ دیا اور آج انسان جہاں نہیں محنت کر رہا وہاں خود بخود پھل اگ رہے ہیں، پھول اگ رہے ہیں، درخت اگتے چلے جا رہے ہیں تو اللہ رب العزت نے زمین کے اندر انسان کی ضرورت کو رکھ دیا۔ یہ اللہ رب العزت کا ہم پر اتنا بڑا اکرم ہے۔

آج زمین سے ماربل نکلتا ہے، لاکھوں انسان روزی کھاتے ہیں، ہمارے پورے پنجاب کہ جتنی آبادی ہے انڈیا کے اندر اتنے لوگ صرف ماربل انڈسٹری کی وجہ سے روزی کما رہے ہیں۔ پروردگار نے ماربل سے روزی دے دی۔ کہیں اس نے زمین میں کوئلہ رکھ دیا کہ اس سے لوگوں کو روزی دی، کہیں زمین کے اندر سونا رکھ دیا، جن ملکوں سے سونا نکل رہا ہے انہیں اس سے روزی مل رہی ہے۔ کہیں اللہ نے تیل رکھ دیا، تیل سے روزی مل رہی ہے اور کہیں اللہ رب العزت نے Diamond (ہیرے) رکھ دیے۔ بعض ملک ایسے ہیں جو ڈائمنڈ انڈسٹری کی وجہ سے چل رہے ہیں۔ واہ میرے مولا! تیری شان ہے کہ اپنے بندوں کو پالنے کے لیے آپ نے کیا کیا نعمتیں زمین میں رکھ دیں۔ تو جب ان ساری Details (تفصیلات) کو دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ زمین بہت بڑی ہے۔ اربوں کھربوں انسان اس سے روزی کھا رہے ہیں اور زمین کے خزانے میں کوئی فرق نہیں آ رہا۔ اربوں کھربوں انسان زمین سے ڈائمنڈ نکال رہے ہیں اور ڈائمنڈ نکل رہے ہیں، اربوں کھربوں انسان ماربل استعمال کر رہے ہیں اور ماربل ابھی بھی نکل رہا ہے، پہاڑوں کے پہاڑ موجود ہیں۔ تو اس پر اگر نظر دوڑائیں تو ذہن کہتا ہے کہ انسان! زمین تجھ سے زیادہ بڑی

ہے۔

زمین سے بڑا سیارہ مشتری:

پھر ایک سوال انسان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ انسان سے زمین بڑی ہے تو کیا زمین سے بھی کوئی چیز بڑی ہے؟ ہر طالب علم کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے:

Is their some thing bigger than the earth.

''کہ زمین سے زیادہ بڑی بھی کوئی چیز ہے؟''

جی ہاں مختلف سیارے ہیں جو زمین سے زیادہ بڑے ہیں۔ مثال کے طور مشتری ایک سیارہ ہے جو زمین سے تیرہ سو گنا بڑا ہے۔ اور اس کی کشش اتنی ہے کہ جس بندے کا وزن زمین پر سو کلو ہو گا اس بندے کا وزن مشتری پر جا کر ایک سو تیس ٹن وزن بن جائے گا۔ یا اللہ! اتنا بڑا ہے! زمین اس کے سامنے فٹ بال کی طرح نظر آتی ہے، چھوٹی سی، تو معلوم ہوا کہ کچھ چیزیں زمین سے بھی زیادہ بڑی ہیں۔

مشتری سے بڑا سورج:

تو اب ذہن میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان بڑا ہے مگر زمین اس سے زیادہ بڑی ہے اور زمین سے زیادہ مشتری سیارہ بڑا۔ تو کیا کوئی چیز اس سے بھی زیادہ بڑی ہے؟ جی ہاں، سورج اس سے بھی زیادہ بڑا، سورج اتنا بڑا ہے کہ اس کی روشنی جب نکلتی ہے تو اڑھائی منٹ میں وہ یہاں پہنچتی ہے، جبکہ روشنی ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل ایک سیکنڈ میں طے کرتی ہے۔ آپ ذرا تصور کیجیے کہ جو روشنی ایک لاکھ

چھیالیس ہزار میل ایک سیکنڈ میں طے کرے اس کو زمین تک پہنچنے میں اڑھائی منٹ لگتے ہیں۔ یعنی سورج نکلا تو اس کی روشنی چلنے کے اڑھائی منٹ بعد ہمیں نظر آتی ہے۔ اتنا وہ ہم سے دور ہے اور اس کا جو Circumference (محیط) ہے تیرہ لاکھ کلو میٹر ہے۔ اس کا جو Diameter (قطر) ہے۔ جیسے کار کا پہیہ دو فٹ کا، تین فٹ کا ہوتا ہے تو سورج کتنا بڑا؟ تیرہ لاکھ کلو میٹر اس کا قطر ہے اور زمین اس کے سامنے ایسے لگتی ہے جیسے چھوٹا سا کوئی بنٹا ہوتا ہے۔

اور یہ سورج زمین کو تین چیزیں دیتا ہے۔

(۱) روشنی:

سب سے پہلے تو روشنی دیتا ہے، سورج نہ ہو تو زمین پر روشنی نہ ہو، روشنی نہ ہو تو زمین کے اندر درخت نہیں اگ سکتے۔ پودوں اور درختوں کے اگنے کے لیے روشنی کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے جہاں روشنی پوری نہیں ہوتی، وہاں پودے مر جاتے ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے، روشنی ہماری ضرورت بھی ہے۔ اچھا یہ روشنی ہمیں نظر کیوں آتی ہے؟ روشنی اس لیے نظر آتی ہے کہ ہماری زمین کے گرد ایک ہوا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے مٹی کے ذرات ہیں۔ جب ان پر روشنی پڑتی ہے تو اس کو Reflect (منعکس) کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں روشنی نظر آتی ہے۔ جب خلا کے اندر انسان جاتا ہے تو وہاں پر مٹی نہیں ہوتی، ہوا نہیں ہوتی، وہاں پر روشنی کے باوجود گھپ اندھیرا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم زمین پر ہیں تو روشنی کو محسوس کر رہے ہیں، زمین کے ہوا کے زون سے باہر نکلیں گے تو گھپ اندھیرا حالانکہ کہ سورج کی روشنی جارہی ہے لیکن نظر نہیں آرہی۔ تو دیکھو اس روشنی کی وجہ سے ہم زندگی گزراتے ہیں۔ یہ ہماری کتنی بڑی ضرورت ہے! جن ملکوں میں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے تو وہاں

دن ہوتا ہے تو یوں سمجھیں کہ عصر کے بعد کا وقت، بس اتنی روشنی ہوتی ہے۔ اور جب رات ہوتی ہے تو یوں سمجھیں جیسے صبح سحری کے قریب کا وقت، تھوڑا سا اجالا باقی اندھیرا۔ تو چھ مہینے اس اندھیرے میں رہ رہ کے لوگ تنگ آجاتے ہیں، اکتا جاتے ہیں، کب روشنی بڑھے گی اور ہم نارمل زندگی گزاریں گے۔

تو دیکھو! یہ روشنی اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے جو ہمیں روز مل جاتی ہے۔ تو سورج ہمیں تین چیزیں دیتا ہے، ایک یہ ہمیں روشنی دیتا ہے، روشنی ہماری ضرورت ہے، روشنی پر زندگی کا کھیل چل رہا ہے۔

(۲) حرارت:

اور دوسرا یہ ہمیں حرارت دیتا ہے اور حرارت بھی ضروری مگر اللہ رب العزت نے زمین پر اس کی حرارت کو ایک **Limit** (حد) کے اندر رکھا ہوا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے ملکوں میں سردیوں میں ٹمپریچر زیرو تک آجاتا ہے اور گرمیوں میں پچاس تک چلا جاتا ہے، یہ درجہ حرارت ایسا ہے کہ درخت اس کے اندر زندہ رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ سردیوں میں بھی درختوں کے پھل ملتے ہیں اور گرمیوں میں بھی۔ کتنے درخت ایسے ہیں جو سردیوں میں پھل دیتے ہیں، ٹھنڈ کے پھل اور کتنے درخت ایسے ہیں جو گرمیوں میں پھل دیتے ہیں۔ واہ میرے مولا! درجہ حرارت کا زون ایسا بنا دیا کہ اس میں بھی پھل کھاؤ اس میں بھی پھل کھاؤ۔ گرمیوں میں پھل دے دیے، سردیوں میں میوے دے دیے، انسان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اگر سورج کا ٹمپریچر اتنا ہوتا کہ وہ سو تک چلا جاتا تو انسان زندہ نہ رہ سکتا، زمین پر سبزے کا نام ونشان نہ رہ جاتا۔ ہر چیز جل کے رہ جاتی اور اگر درجۂ حرارت اتنا کم ہوتا کہ منفی بیس (20-) ڈگری تو زمین پر سبزے کا نام ونشان بھی نہ ہوتا، انسان کے لیے زندہ رہنا مصیبت بن جاتا۔ تو

اللہ رب العزت کی رحمتوں کی انتہا دیکھیے کہ اس درجہ حرارت کو ایسا رکھا جو انسان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے موضوع ترین ہے۔ تو روشنی بھی ہماری ضرورت اور گرمی بھی ہماری ضرورت۔

جہاں گرمی نہیں ہوتی وہاں کیا کیا کرنا پڑتا ہے؟ اللہ اکبر! ہم لوگ ایک مرتبہ بیرون ملک میں تھے تو وہاں تبلیغی جماعت کے کچھ احباب ایک گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ اللہ کی شان کہ وہ گاڑی سڑک پر ایک جگہ خراب ہوگئی۔ وہاں اتنی برف باری تھی اور اتنا ٹمپریچر ڈاؤن تھا کہ گاڑی میں پانچ بندے بیٹھے ہوئے تھے، باوجود اس کے کہ جیکٹیں پہنی ہوئی تھیں، جرابیں موزے اور سارا کچھ پہنا ہوا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے اندر ہی فوت ہو گئے۔ ٹمپریچر Low (کم) ہونے کی وجہ سے وہ اندر ہی فریز ہو گئے۔ روشنی بھی ہماری ضرورت اور گرمی بھی ہماری ضرورت۔

(۳) ریڈی ایشن:

سورج ایک تیسری چیز ہمیں دیتا ہے جس کو (Radiation) ریڈی ایشن کہتے ہیں۔ یہ ریڈی ایشن بھی ہمارے لیے ضروری۔ مثال کے طور پر جو لوگ دھوپ میں بالکل ہی نہیں نکلتے، ڈاکٹر لوگ جانتے ہیں ان کے اندر وٹامن ڈی کی کمی آجاتی ہے، اور پھر ان کو وٹامن ڈی کے لیے دوائیاں لینی پڑتی ہیں۔ تو سورج کی دھوپ سے ہمیں وٹامن مل گئے، ہماری جلد کو خوراک مل گئی۔ تو آپ دیکھیں اللہ رب العزت نے اس سورج کو ہماری ضرورتوں کے بالکل مطابق بنایا ہے، نہ اتنا دور بنایا کہ انسان ٹھنڈ سے یخ ہو کر مر جائے، نہ اتنا قریب کیا کہ انسان جھلس کر مر جائے۔ یہ سورج ہمیں کیسے روشنی دے رہا ہے کہ سورج کے اندر ہائیڈروجن ہے اور وہ ہائیڈروجن بم کی طرح پھٹ رہی ہے۔ فشن ری ایکشن ہو رہا ہے اور وہ ہیلیم میں Convert (تبدیل)

ہو رہی ہے۔ اتنا اس کے اندر ایندھن موجود ہے۔ یہ آگ کا اتنا بڑا گولا پوری دنیا کو ان کی ضرورت پوری کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ جَعَلَ فِیۡهَا سِرٰجًا﴾ (الفرقان:٦١)

''ہم نے سورج کو ایک چمک دار چراغ کی مانند بنایا۔''

یہ چراغ جل رہا ہے اور انسان کو روشنی پہنچا رہا ہے۔

تو اب بات یہاں تک پہنچی کہ انسان کو اللہ نے جو اعضا دیے اور اس سے جو کام کرتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ میں بڑا ہوں لیکن کئی مواقع زندگی میں ایسے آتے ہیں کہ جہاں وہ کہتا ہے نہیں کچھ چیزیں مجھ سے بھی بڑی ہیں۔

سورج سے بڑا ستارہ:

ذہن میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی چیز سورج سے بھی زیادہ بڑی ہے۔ جی ہاں! ایسے ستارے دریافت ہو چکے ہیں جو سورج سے بھی زیادہ بڑے ہیں۔ مثال کے طور پر انٹرس ایک ستارہ ہے۔ آسمان کے اوپر کچھ ستارے ہیں جن کو Schorpean (سکارپین) کہتے ہیں۔ بچھو کی مانند ان کی شکل نظر آتی ہے۔ اس کے بالکل وسط میں یہ ستارہ ہے۔ یہ ستارہ اتنا بڑا کہ اس کا ڈایا میٹر تین سو ملین کلو میٹر ہے، یعنی تین ہزار لاکھ کلو میٹر۔ اب اس ستارے کے سامنے زمین ایک ذرے کی طرح نظر آتی ہے۔ تو کتنا بڑا یہ ستارہ ہوگا؟ اب اس کے مقابلے میں پھر ہماری زمین اتنی چھوٹی سی نظر آئے گی جیسے ذروں میں سے ایک چھوٹا سا کوئی ذرا ہو۔

کہکشائیں (Galaxies):

اور یہ ستارے کتنے ہیں؟ بہت زیادہ۔ چنانچہ سائنس کی زبان میں اس

کو Galaxy (کہکشاں) کہتے ہیں اور آسمان میں ہزاروں نہیں لاکھوں Glaxies (کہکشائیں) موجود ہیں۔ یہ ستارہ ان میں ایک چھوٹا سا ستارہ ہے۔ چنانچہ ایک گلیکسی کے اندر ایک ملین نہیں ٹریلین سٹارز (ستارے) موجود ہیں۔ اور ایسے ہزاروں نہیں لاکھوں گلیکسی موجود ہیں۔ اس وقت تک انسان نے جن گلیکسی کو دریافت کرلیا ہے، ان کی تعداد ہنڈرڈ بلین ہے۔ ہنڈرڈ بلین کہکشائیں انسان نے دریافت کرلیں اور اندازہ ہے کہ ایک ٹریلین گلیکسیز اور موجود ہیں۔ عقل یہاں آ کے گل ہو جاتی ہے، سوچنا بند کر دیتی ہے۔ یا اللہ! زمین اتنی بڑی اور مشتری اتنا بڑا اور سورج اتنا بڑا اور سورج سے ایک ستارہ اتنا بڑا کہ اس کا ڈایا میٹر تین ہزار لاکھ کلو میٹر اور پھر یہ ایک ستارہ ہے گلیکسی کے اندر چھوٹا سا، اور بلین کی تعداد میں گلیکسیز موجود ہیں۔

بلیک ہول کیا ہیں؟

ذہن میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی چیز ان ستاروں سے بھی بڑی ہے تو سائنسدانوں نے جواب دیا کہ ہاں ایک چیز ستاروں سے زیادہ بڑی ہے۔ وہ کون سی چیز ہے؟ اس کو کہتے ہیں (Black Hole) بلیک ہول۔ پوری کائنات کے اندر کچھ جگہیں ایسی ہیں جو بالکل کالی ہیں۔ اس کے بارے میں انسان کو کوئی Detail (تفصیل) معلوم نہیں مگر اتنا پتہ ہے کہ جو چیز اس کے ذرا سامنے آتی ہے اس چیز کو وہ ہڑپ کر جاتا ہے۔ چاہے سورج ہو، ستارہ ہو، کوئی اور چیز ہو۔ وہ کالا کیوں نظر آتا ہے؟ اس لیے کہ اس کی کشش اتنی ہے کہ جب روشنی اس کی طرف ڈالو تو وہ روشنی کے جو Photon (فوٹان) ہیں ان کو بھی کھا جاتا ہے، واپس نہیں آنے دیتا اس لیے کالا نظر آتا ہے۔ اب ان کا نام سائنسدانوں نے رکھ دیا Black Hole

(کالا سوراخ)۔اس کے اندر کیا ہے؟اس کی کوئی خبر نہیں لیکن وہ اتنا بڑا ہے کہ بڑے سے بڑے ستارے کو وہ بس ایک لقمہ بنا لے۔

چنانچہ اس پر بڑی ریسرچ کی گئی کہ بلیک ہول کیا چیز ہے؟ تو سائنسدانوں نے تین چار چیزیں بتائیں۔ ایک بات یہ بتائی کہ یہ بلیک ہول اتنا زیادہ Gravitational Force (کششِ ثقل) رکھتا ہے کہ پوری زمین کو اگر ہم Compress (دبا) کرایک انڈے کے برابر بنا دیں تو جتنی کششِ ثقل اس کی اس وقت ہوگی بلیک ہول کی کشش اس سے بھی زیادہ۔اور دوسری بات کہ جو چیز اس کے اندر جاتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ سائنس کی کتابوں میں ہم نے کبھی Nothingness (کچھ نہیں) کا لفظ نہیں پڑھا تھا کیونکہ (کچھ نہیں) تو فنا ہوتی ہے اور سائنسدان فنا کو مانتے نہیں تھے۔ان کی نظر میں بس تو Conservation of mass (مادے کا بقا) ہے، کہ

Matter can neither be created nor be destroyed it can change its state.

(مادہ نہ پیدا کیا جا سکتا ہے نہ ختم کیا جا سکتا ہے البتہ یہ اپنی حالت کو بدل لیتا ہے)

اب تک تو ہم یہی پڑھتے رہے، اب سائنسدانوں نے نیا پینترا بدلہ۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، بلیک ہول میں جو چیز چلی جائے وہ ختم ہی ہو جاتی ہے۔اور پھر انہوں نے ایک پوائنٹ اور دیا کہ بلیک ہول کے اندر ہمارے یہاں کے فزکس اور کیمسٹری کے قانون نہیں چلتے۔

The Laws of Physics and chemistry

become void there.

فزکس اور کیمسٹری کے قوانین وہاں ختم ہو جاتے ہیں۔

بلیک ہول، حدیث کی روشنی میں:

تو یا اللہ! یہ بلیک ہول کیا چیز ہوئی تو انسان کا ذہن جو ہے وہ ماؤف ہونے لگتا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے کچھ مزید رہنمائی ملے۔ جیسے ایک انسان چلتے چلتے کسی جگہ آ کے رک جائے تو چاہتا ہے کہ مجھے آگے کوئی راستہ دکھائے۔ تو یہاں آ کے دماغ رک جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ یہاں روشنی کی ضرورت ہے۔ مگر جہاں دماغ کام کرنا چھوڑ جائے تو روشنی کیسے ملے گی؟ ہاں ایک روشنی کا ذریعہ اور بھی ہے جو ہدایت والی روشنی ہے جس میں گمراہی کا کوئی چانس نہیں، جس میں بھٹکنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور وہ روشنی ہمیں ملی نبی علیہ السلام کے ذریعے، جہاں آ کے انسان کے دماغ کی پرواز رک جاتی ہے۔ آپ سمجھیں کہ وہاں سے وہ انگلی پکڑ کے آگے لے چلتے ہیں۔

تو آیئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے دیکھیے یہ آگے کیا چیز ہے؟ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث پاک روایت کی ہے کہ ایک صحابی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ سورج چاند ستارے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا چھوڑ دیں تو کیا ہوگا؟ ایک خوبصورت سا سوال پوچھا، تو حدیث پاک میں ہے کہ

((اُمِرْنَا اَنْ نُکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ)) (کنز العمال، رقم: ۲۹۲۸۲)

"لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کرو"

کہ لوگوں سے ان کے ذہنی لیول کے مطابق گفتگو کیا کرو تا کہ وہ سمجھ سکیں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا جواب دیا:

"اگر سورج چاند ستارے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے جانوروں میں ایک جانوران پر مسلط کر دیں گے جوان کو ایک لقمہ بنا لے گا"

اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت بلیک ہول کا نام لیتے تو وہ صحابی سر پکڑ کر بیٹھ جاتے کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں؟ تو آسان لفظوں میں بات سمجھائی کہ اللہ تعالیٰ اپنے جانوروں میں سے ایک جانوران پر مسلط کر دیں گے جو اسے ایک لقمہ بنا لے گا۔ اتنا بڑا ہوگا کہ ایک ستارے کو کھانا ایک لقمے کی مانند۔ تو اس صحابی نے ایک Counter Question (جوابی سوال) کیا کہ اے اللہ کے پیارے نبی ﷺ! وہ جانور کہاں ہوتے ہیں؟ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا:

"وہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہوں میں چرتے ہیں۔"

آج اس حدیث مبارک کا مضمون دیکھ کر بلیک ہول کے بارے میں ذرا سوچیے کہ سائنسدانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ان کو مختلف جگہوں کے اوپر اس طرح بکھیر دیا کہ ایک تو انہوں نے توازن کو برقرار رکھا ہوا ہے Magnatic Balance (کشش کا توازن) ہر ہر چیز اپنے مدار میں گھوم رہی ہے۔ بیلنس قائم ہے۔ اور اگر کوئی چیز اپنے مدار سے نکلنے کی کوشش کرے (چاند، سورج، ستارے) تو جیسے ہی یہ نکلے گی Tangent بنے گی اور یہ سیدھا بلیک ہول کے منہ میں چلی جائے گی۔ اللہ نے جانور رکھے ہوئے ہیں کوئی اگر حکم عدولی کرے گا، یہ جانوران کو ایک لقمہ بنا لے گا۔ آج کے دور میں آکر اتنی محنت کے بعد انسان ایک ایسے نکتے پر پہنچا جو چودہ سو سال پہلے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے اشارہ فرما دیا تھا۔

تو لب لباب بات کا یہ ہوا کہ انسان اپنے آپ کو گریٹ محسوس کرتا ہے مگر کچھ لمحات ایسے آتے ہیں جن کی مثالیں دے کر ذہن کہتا ہے کہ بڑا کوئی اور ہے۔ جی ہاں

زمین انسان سے بڑی، پھر مشتری زمین سے بھی بڑا، پھر سورج مشتری سے بھی بڑا، پھر سورج سے بڑے اور ستارے اور پھر ستاروں میں Milky Way (سفید راستہ) لاکھوں کہکشائیں ہیں۔ اتنی بڑی کائنات اور اس کے بیلنس کو اللہ تعالیٰ نے بلیک ہول کے ذریعے برقرار کر دیا اور حدیثِ پاک میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں تک حدیث پاک کو پڑھ کر انسان کا دماغ حیران ہو جاتا ہے،

پھیلتی ہوئی کائنات (Expanding Universe) کا تصور:

مگر ایک بات اور بھی حیران کن ہے۔ وہ ہے اللہ کا قرآن، صداقتوں کا مجموعہ، سچائیوں سے بھری ہوئی کتاب Altimate Realities of the Univers (کائنات کی صداقتوں) کو اللہ نے اس کتاب میں اکٹھا فرما دیا۔ آیئے قرآن پاک کی طرف رجوع کیجیے کہ اس کائنات کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے اور یہی ذہن میں رکھیے کہ چودہ سو سال پہلے سائنس کا نام و نشان نہیں تھا۔ ابھی پہیہ ایجاد نہیں ہوا تھا، کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا، ڈائنمو ابھی تک نہیں بنا تھا۔ وہ پتھر کا زمانہ سمجھ لیجیے۔ اس پتھر کے زمانے میں قرآن اترا اور ایسی ہستی پر اترا جو نبی امی ان پڑھ دنیا کے کسی Educational Institution (تعلیمی ادارے) سے نہیں پڑھا، کسی انسان کے سامنے شاگرد بن کر نہیں بیٹھے۔ وہ نبی امی جنہوں نے بتایا کہ یہ مجھ پر اللہ کا کلام اترا، وہ اللہ کا کلام کیا ہے؟ سنیے اور ذرا غور کیجیے! جتنا غور کریں گے اتنا ایمان بڑھے گا۔ جتنا غور کریں گے اتنا انسان کے اندر اللہ کی عظمت پیدا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ (الذاریات:۴۷)

ہم نے اس آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم اس کو وسیع کرنے والے ہیں

﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ ﴾

''ہم نے اس آسمان کو اپنے ان مبارک ہاتھوں سے بنایا وَ''

﴿اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴾

''اور ہم اس کو وسیع کرتے چلے جارہے ہیں''

موسعون وسیع سے ہے۔ آج کے زمانے میں اس کو کہتے ہیں Expanding Universe وسیع ہونے والی کائنات۔ ساری دنیا میں سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات ہر لمحے وسیع ہوتی جارہی ہے، پھیل رہی ہے۔ اب یہ پھیلنے کا تصور تو آج ملا، جب انسان نے خلا میں قدم رکھا، جب اسے Comunication (معلومات) ملیں، سپر کمپیوٹر ایجاد ہوا، تب اس کو پتہ چلا کہ واقعی یہ کائنات ایکسپینڈ کر رہی ہے۔ اس سے پہلے تو کسی کو پتہ ہی نہیں تھا۔ جس زمانے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے سائنسدانوں کو یہ تک پتہ نہیں تھا کہ زمین حرکت کرتی ہے یا زمین ایک ہی جگہ کھڑی ہے۔ اس نبی امی نے یہ پیغام دیا کہ دیکھو! جس پروردگار نے اس کائنات کو بنایا اس پروردگار نے فرمایا کہ میں نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کائنات کو پیدا کیا۔ ﴿اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ اور ہم اس کو ہر وقت پھیلاتے چلے جارہے ہیں Expanding Universe (پھیلتی کائنات) کا تصور آج دنیا میں آرہا ہے۔

دہریت کو شافی جواب:

یہ ایک دعویٰ ہے ان دہریوں کے لیے جو کہتے ہیں کہ زمین خود بخود بن گئی، کائنات خود بخود بن گئی۔ وہ ان آیات کے اندر غور کریں ان کو ان سے ایمان کا نور ملے گا کہ واقعی عقل سے کوئی ایسی بات کہنا ممکن ہی نہیں۔ کہ ہم نے اس کائنات کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم اس کو پھیلاتے چلے جارہے ہیں۔

آپ حضرات میں بہت پڑھے لکھے لوگ ہوں گے، سائنس پڑھے ہوئے، اللہ نے آپ کو ٹریلین آف برین سیل دیے۔ کسی نے ایم اے پڑھا، کسی نے ایم بی اے پڑھا، کسی نے پی ایچ ڈی کیا، کسی نے میڈیکل کیا کسی نے انجینئرنگ کی۔ ذرا غور کیجیے نا ٹھنڈے دماغ سے، ذرا سوچیے کہ ایک وہ شخصیت جن کو ہم ان پڑھ کہتے ہیں، جس نے اپنے وقت کے کسی تعلیمی ادارے میں کبھی تعلیم نہیں پائی، جس کو کسی انسان کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھنے کا کبھی موقعہ نہیں آیا، وہ نبی امی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کائنات کے بنانے والے نے یہ میسج دیا کہ ہم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کائنات کو بنایا، ﴿اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ اور ہم اس کو ہر وقت پھیلاتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ پھیلنے والی کائنات آج بھی ہمیں ایمان کی طرف دعوت دے رہی ہے۔

جو کہتے ہیں کہ جی ایکسیڈنٹ سے یہ کائنات وجود میں آ گئی۔ تو ایک چھوٹا سا لفظ سن لیجیے کہ ایکسیڈنٹ ہمیشہ Distructive (تباہ کن) ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ ٹرینوں میں ایکسیڈنٹ ہو تو کیا ہوتا ہے؟ تباہی۔ اگر کاروں میں ایکسیڈنٹ ہو تو تباہی، بلڈنگ میں ایکسیڈنٹ ہو تو تباہی، تو ایکسیڈنٹ ہمیشہ Distruction (تباہی) لاتا ہے۔ یہ کیسا ایکسڈنٹ تھا کہ جو Constructive (تعمیری) تھا۔ عقل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ایک کروڑ سال بھی عقل سوچتی رہے وہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتی کہ ایکسیڈنٹ کہتے ہی اس کو ہیں جو تباہی لانی والی چیز ہو۔ تو یہ تعمیری ایکسیڈنٹ کیسے ہو گیا؟ تو معلوم ہوا کہ اس کو کسی ذات نے وجود میں لایا، جو اس دنیا میں تعمیر چاہتی تھی۔ وہ پروردگار ہمارا اللہ رب العزت ہے۔ فرمایا:

﴿ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا﴾

یہ چند الفاظ ہیں، اردو لکھے پڑھے حضرات بھی عربی کے ان الفاظ کے معانی کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ ﴿وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا﴾، ''بنینا'' بنا سے ہے بنانا۔

﴿بِاَيْدٍ﴾

''ہاتھ سے''

﴿وَ اِنَّا﴾

''اور بیشک ہم''

﴿لَمُوْسِعُوْنَ﴾

''اس کو وسعت دیتے جارہے ہیں۔''

کتنے آسان الفاظ ہیں اس پر غور کرتے جائیے۔

اللہ سب سے بڑا ہے:

تو معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ کائنات اتنی بڑی ہے تو کائنات کو بنانے والا پروردگار کتنا بڑا ہوگا۔ فرماتے ہیں:

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾

''اللہ کی کرسی آسمان اور زمین ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے''

﴿وَلَا يَؤُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا﴾

''اور ان کی حفاظت اللہ کے نزدیک کوئی مشکل معاملہ نہیں''

﴿وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (ال عمران: ۲۵۵)

''وہ عالی شان ہے، عظیم الشان ہے''

اللہ کتنے بڑے ہیں! اللہ اکبر! ہم آپ کی عظمتوں کے سامنے اپنے سر کو جھکاتے ہیں۔ آپ کی وحدانیت اور عظمتوں کو قبول کر کے اس کی گواہی دیتے ہیں، اللہ آپ

یقیناً سب سے بڑے ہیں ؎

چاند تاروں میں تو، مرغزاروں میں تو، اے خدایا!
کس نے تیری حقیقت کو پایا
تو نے پتھر میں کیڑے کو پالا
خشک مٹی سے سبزہ نکالا
یہ تیرا ہے جہاں یہ زمین آسمان اے خدایا
کس نے تیری حقیقت کو پایا

جہاں بھی آپ آگے پیچھے نظر دوڑائیں، یہ کائنات اپنے بنانے والے کی عظمت اور کبریائی کی گواہی دے رہی ہے۔ اللہ رب العزت اس قرآن مجید کے مضامین کی عظمت کو سامنے رکھ کر اپنے دیے ہوئے اس پروردگار کی عظمت کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ آج ہم اس محفل میں اپنی گناہوں بھری زندگی کو چھوڑ کر پرہیزگاری اور فرمانبردار والی زندگی گزارنے کا ارادہ کرلیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا﴾ (ابراہیم:۳۵)

اسبابِ مغفرت

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

مجددی مدظلہم

اسبابِ مغفرت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (النور:۳۱)
وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ
﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۸)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

انسان......خیر اور شر کا مجموعہ:

ہر انسان کو اللہ رب العزت نے خیر اور شر کا مجموعہ بنایا ہے۔ فطرتی طور پر انسان میں خیر بھی رکھی گئی ہے، شر بھی رکھا گیا ہے۔

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ (الشمس ۷۔۸)

لیکن اچھا انسان وہ ہوتا ہے جو خیر کو غالب کرے اور برا انسان وہ ہوتا ہے جو اپنے اوپر شر کو غالب کرے۔ جو سراپا خیر وہ فرشتے ہیں، جو سراپا شر وہ شیطان ہے، جو خیر اور شر کا مجموعہ وہ حضرت انسان ہے۔

گناہوں کو مٹانے کا طریقہ:

تو انسان سے اس دنیا میں غفلت کی بنا پر کوتاہیاں ہوتی ہیں، گناہ سرزد ہوتے

ہیں تو دینِ اسلام کا یہ حسن ہے اور اس کی خوبصورتی ہے کہ اس نے گناہوں کو مٹانے کے طریقے اور اسباب بھی بنا دیے۔

مغفرت کے دس اسباب:

چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ''الایمان الاوسط'' کتاب میں دس اسباب بتائے ہیں کہ جن کے ذریعے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ یہ بڑا اہم عنوان ہے، آپ دل کے کانوں سے سنیں اور ان دس اسباب کو یاد رکھیں اور ان کے ذریعے سے اپنے گناہوں کو مٹانے کی کوشش کرتے رہیں۔ کہ وہ کون سے دس طریقے ہیں جن سے گناہ معاف ہوتے ہیں، جن سے انسان کی خطاؤں کو اللہ رب العزت معاف فرما دیتے ہیں۔

پہلا سبب

توبہ

گناہوں کو مٹانے کا جو سب سے پہلا طریقہ ہمیں بتایا، اس طریقے کو توبہ کہتے ہیں۔ توبہ ایک ایسا عمل ہے کہ انسان کے کیے ہوئے گناہوں کو اللہ رب العزت معاف کر دیتے ہیں۔ بلکہ

﴿ أُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ﴾ (الفرقان:۷۰)

اگر انسان خلوص دل کے ساتھ سچے دل کے ساتھ توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کی نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ جیسے بال صفا پوڈر ہوتا ہے وہ پاؤڈر لگا لو تو بال صاف۔ یہ توبہ گناہ صفا پاؤڈر کی مانند ہے جس بندے نے بھی توبہ کر لی، اللہ رب العزت اس کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ حدیث پاک میں

آتا ہے:

((اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ)) (ابن ماجہ، رقم: ۴۳۹۱)

''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہوتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں''

قرآن مجید میں اس توبہ کے ساتھ فلاح کے ملنے کا وعدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (النور: ۳۱)

''اے ایمان والو! تم سب کے سب توبہ کرو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے''

فلاح کہتے ہیں ایسی کامیابی جس کے بعد ناکامی نہ ہو، ایسی خوشی جس کے بعد غم نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ایسا قرب کہ جس کے بعد بندے کے لیے دوری کا سوال ہی پیدا نہ ہو اور یہ فلاح توبہ کے ذریعے سے ملتی ہے۔

توبہ کیوں کریں؟

ہمیں چاہیے کہ ہم روز توبہ کیا کریں۔ ممکن ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو کہ جی ہم توبہ کس لیے کریں؟ ہم نے کون سا گناہ کیا ہے؟ نہیں گناہ ہم سے سرزد ہوتے ہیں، ارادۃً بھی اور بغیر ارادے کے بھی، لیکن شیطان ان گناہوں کو اتنا ہلکا بنا کے پیش کرتا ہے کہ ہم اس کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ غیبت کی، پتہ ہی نہیں چلا، تو یہ شیطان کا ایک خاص حربہ ہے کہ وہ گناہوں کو مزین کر کے پیش کر دیتا ہے اور بندہ مرتکب ہو جاتا ہے۔

توبہ کسے کہتے ہیں؟

توبہ کہتے ہیں:

((تَنْزِيْهُ الْقَلْبِ عَنِ الذَّنْبِ))

''دل کو گناہوں کی نیت سے پاک کر لینا''

تو توبہ کا لفظی معنیٰ دل کو گناہ کے ارادے سے خالی کر لینا۔ توبہ یہ نہیں ہوتی کہ زبان سے توبہ کے الفاظ ہیں اور دل میں گناہ کی لذت موجود ہے۔ اسی کو تو شاعر نے کہا کہ ۔

کہ توبہ برلب سبحہ بردم دل مردِ لطفِ گناہ

معصیت را خندہ می آید بلطف مفارِ ما

''کہ زبان سے توبہ ہے، ہاتھ میں تسبیح ہے اور دل میں گناہ کی نفرت اور لذت موجود ہے، ایسی توبہ کے اوپر تو معصیت کو بھی ہنسی آتی ہے''

توبہ کہتے ہیں دل کو گناہ کے ارادے سے خالی کر دینا۔ کیا مطلب؟ کہ جس وقت بندہ توبہ کر رہا ہو اس وقت اس کے دل میں یہ کیفیت ہو کہ اے مولا! آج کے بعد میں تیرے حکموں کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اگر اسوقت یہ کیفیت ہوئی تو آپ سمجھیں کہ یہ توبہ قبول ہے۔ اگر بعد میں کسی وقت پھر گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کر لیں۔

گناہ کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کپڑا میلا ہو جائے اور توبہ کی مثال ایسے جیسے کپڑے کو صابن سے صاف کر لیا جائے۔ اب جب بھی کپڑا میلا ہو آپ فوراً اسے صاف کر لیتے ہیں، کبھی کسی بندے نے یہ سوچا کہ جی میں کیا دھوؤں یہ دوبارا میلا ہو جائے گا۔ ہر بندہ کہے گا کہ بھئی ابھی تو اس کو صاف کرو نا! اگر پھر میلا ہو گیا تو پھر صاف کر لیں گے۔ تو توبہ کہتے ہیں کہ گناہوں کے ارادے سے دل کو خالی کر لینا، جس لمحے بندہ توبہ کر رہا ہے، پکی نیت ہو، عزم جازم ہو، پکا ارادہ ہو کہ آج کے بعد میں نے یہ گناہ نہیں کرنا، اس کو توبہ کہتے ہیں۔

گناہ سے کیسے بچیں؟

بعض نوجوان پوچھتے ہیں کہ جی گناہ سے بچنا تو بہت مشکل ہے، بلکہ آج کے دور میں تو گناہ سے بچنا ناممکن ہے۔ ایسی بات نہیں ہے، نیک روحیں آج بھی موجود ہیں اور آج بھی تقویٰ طہارت کی زندگی گزار رہی ہیں۔ آدمی گناہوں سے بچتا کیسے ہے؟ ذرا اس کی مثال سن لیجیے: اگر ایک آدمی آپ کے پاس ایک پلیٹ کے اندر مٹھائی لائے اور کہے کہ جی اس میں ایک چیز کے اندر زہر ہے باقی سب ٹھیک ہے، آپ کھائیے! تو کیا آپ کھانا شروع کر دیں گے؟ آپ ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔ حالانکہ آپ کو پتہ ہے کہ فقط ایک چیز کے اندر زہر ہے باقی میں زہر نہیں ہے۔ مگر آپ کو یہ ڈر ہے کہ اگر میں نے ان کو کھالیا تو ہو سکتا ہے جو کھا رہا ہوں اسی میں زہر ہو، میری تو جان چلی جائے گی۔ اب اس مٹھائی میں لذت بھی ہے، دل بھی چاہتا ہے کھانے کو، مگر آپ قریب نہیں جاتے۔ جس طرح جسمانی موت آنے کے ڈر سے آپ اس مٹھائی کے قریب نہیں جاتے، اسی طرح اللہ والے روحانی موت کے ڈر سے گناہ کے قریب نہیں جاتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پوری زندگی کا کیا کرایا ضائع ہو جائے گا۔ ہر بندے کو محنت کے ضائع ہونے کا افسوس ہوتا ہے۔

توبہ ہر ایک کے لیے ضروری:

اور یہ بھی توجہ فرمائیے:

کہ توبہ ہر بندے کے لیے ضروری ہے نیک ہوں یا بد ہوں، مثال کے طور پر:

کافر ہے تو اس کو کفر سے توبہ کرنی چاہیے

اگر مومن ہے تو اس کو کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔

جو کبیرہ گناہوں سے بچ گیا، اس کو غفلت میں گزرنے والے اپنے اوقات سے توبہ کرنی چاہیے۔

جو ذکر میں وقت گزارتا ہے اس کے دماغ میں بھی شیطان وساوس ڈالتا رہتا ہے ان وساوسِ شیطانی ونفسانی پر اللہ کے سامنے توبہ کرنی چاہیے۔

اور جس کو وساوس سے بھی اللہ نے محفوظ فرمالیا وہ اپنے اخلاص کی کمی پر اللہ کے سامنے توبہ تائب ہو جائے کہ اے اللہ! جتنے خلوص سے عبادت کرنی چاہیے تھی ہم اتنے خلوص سے عبادت نہیں کرتے۔

تو معلوم ہوا کہ ہر بندے کو توبہ کرنی چاہیے۔ توبہ گناہوں کے معاف ہونے کا بڑا ذریعہ ہے۔

دوسرا سبب

کثرتِ استغفار

دوسرا عمل ہے "استغفار"

"استغفار" کہتے ہیں گزرے ہوئے گناہوں پر شرمندہ ہونا، نادم ہونا، افسوس کرنا دل میں، یہ کیفیت ہونا کہ میں غلط کر بیٹھا، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

توبہ اور استغفار ملتے جلتے الفاظ ہیں، مگر تعریف کا فرق ہے کہ استغفار کہتے ہیں گزرے گناہوں پر ندامت ہو اور توبہ کہتے ہیں آئندہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ ہو۔

تو ہمیں استغفار بھی ہر وقت کرنا چاہیے۔ ہم اب تک جو خطائیں کر بیٹھے اے میرے مولیٰ! ہم اس پر بہت زیادہ نادم اور شرمندہ ہیں۔ استغفار کا حکم دیا گیا قرآن مجید میں۔ فرمایا:

﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ (نوح:۱۰)

''تم اپنے رب کے سامنے استغفار کرو!''

اس استغفار پر انسان کو بہت انعام ملیں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

((طُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِی صَحِیْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرَةً)) (الجامع الکبیر، رقم:۷۶)

''قیامت کے دن جس بندے کے نامہ اعمال میں زیادہ استغفار کا عمل موجود ہوگا۔ اس بندے کو مبارک ہو کہ قیامت کے دن اس کو بہت خوشی ہوگی''

تو ہمیں بھی چاہیے کہ استغفار کثرت سے کریں۔ صبح اور شام استغفار کی تسبیح کریں۔ یہ تو کم از کم درجہ ہے، زیادہ کر سکیں تو زیادہ کریں۔

ہر مسئلے کا حل......استغفار:

اور اصل میں استغفار کرنے کا طریقہ آجائے نا! تو ہمارے لیے چھوٹے موٹے مسئلے اللہ تعالیٰ ویسے ہی حل فرمادیں۔ نہ کسی سے عمل پوچھنے کی ضرورت اور نہ کسی سے تعویذ لینے کی ضرورت۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ بیٹھے تھے، ایک آدمی نے آکر کہا کہ حضرت! بہت گناہگار ہوں کوئی عمل بتادیں۔ فرمایا: استغفار پڑھو!

پھر ایک اور بندہ آیا اس نے کہا کہ حضرت! بہت دنوں سے بارش نہیں ہوئی کوئی عمل بتادیں، فرمایا: استغفار کرو!

ایک آدمی آیا کہ جی میں بڑا غریب ہوں، کام نہیں چلتا، کاروبار نہیں چلتا، میں مقروض ہوں کوئی عمل بتائیں! فرمایا: استغفار پڑھو!

ایک آدمی آیا کہ جی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا عطا فرما دے۔ فرمایا کہ استغفار کرو!

ایک آدمی آیا کہ میرا باغ ہے دعا کریں کہ باغ کا پھل مجھے اچھا مل جائے، گویا

آج کے زمانے میں میرا بزنس اچھا چل جائے، بکری اچھی ہو جائے۔ باغوں کا پھل ہوتا ہے دکانوں کی بکری ہوتی ہے۔ فرمایا: استغفار پڑھو!

ایک آدمی آیا کہ دعا کریں کہ مجھے گھر میں میٹھا پانی مل جائے، چشمہ جاری ہو جائے، فرمایا: استغفار کرو!

ایک آدمی یہ سب سن رہا تھا۔ اس نے کہا کہ حضرت! یہ آپ کے ہاتھ میں عجیب چیز آ گئی، جو آتا ہے استغفار استغفار۔ آپ نے فرمایا: دیکھو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود فرمایا:

﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾

"گناہ معاف ہوتے ہیں"

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾

"استغفار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارشیں نازل فرماتے ہیں۔"

﴿وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ﴾

" اور استغفار کی وجہ سے اللہ بندے کی مال کے ذریعے سے مدد کرتے ہیں۔"

﴿وَّ بَنِيْنَ﴾

"اور بیٹوں کے ذریعے سے بھی اللہ مدد کرتا ہے۔"

﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ﴾

"اللہ تعالیٰ استغفار کے ذریعے باغوں کا زیادہ پھل عطا فرمائے گا۔"

﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ (نوح:۱۰-۱۲)

"اور تمہیں پینے کے لیے میٹھے پانی کے چشمے عطا فرما دے گا۔"

ایک استغفار کے اوپر یہ تمام نعمتیں ملتی ہیں، اگر آپ غور کریں! آج ہمارے

جتنے بھی پرابلم ہیں وہ ان میں سے کسی نہ کسی ایک سے وابستہ ہیں۔تو معلوم ہوا کہ ہمارے لیے تو تریاق ہے کہ استغفار کرتے رہیں اور اللہ رب العزت ہمیں آخرت کے بھی درجات دیں گے اور دنیا کے اندر بھی پریشانیوں سے ہمیں محفوظ فرما دیں گے۔

استغفار کی کثرت:

تو ہمیں استغفار کثرت کے ساتھ کرنا چاہیے مثلاً:

((اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ))

یہ پڑھا کریں۔

اگر کوئی بندہ ہر وقت یہ نہیں پڑھ سکتا تو چلو

"استغفر اللہ استغفر اللہ"

اتنا ہی پڑھتا رہے تو اس لفظ سے بھی استغفار ہو جائے گا مگر استغفار پڑھتے ہوئے دل میں ندامت کی کیفیت ہونی چاہیے۔

استغفار لائقِ استغفار:

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے سامنے ایک نوجون استغفار پڑھ رہا تھا مگر اس کا دل اتنا متوجہ نہیں تھا۔انہوں نے فرمایا کہ

((اَسْتِغْفَارُنَا یَحْتَاجُ اِلَی اسْتِغْفَارِنَا))(مرقات شرح مشکوۃ:۴/۴۳)

"ہمارا استغفار بھی استغفار کا محتاج ہے"

تم ایسا استغفار کر رہے ہو کہ اس استغفار پر تمہیں استغفار کرنا چاہیے۔اس کا مطلب ہے کہ ہم دل کی توجہ کے ساتھ اگر یہ عمل کریں گے تو اس کے ذریعے سے اللہ

تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ اور یہ بھی سن لو! مزے کی بات کہ یہ استغفار کسی ایک بندے کو کرنے کی ضرورت نہیں، ہر بندے کو استغفار کرنے کی ضرورت ہے۔ عام طور پر نیکی کرنے والے کو زیادہ استغفار کرنا چاہیے، کیوں بھئی؟ گناہ تو نہیں کیا نیکی کی ہے۔ راز یہ ہے کہ ہم جو عبادتیں کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق نہیں کر پاتے، اس کی عظمت اتنی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ)) (المتفق، رقم:۱۲۲)

''ہم نے آپ کی عبادت ایسے نہیں کی جیسے کرنی چاہیے تھی''

تو جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ کیفیات ہیں تو ہم پھر کس کھیت کی گاجر مولی ہیں۔

عبادات پر اجر کیوں؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہماری عبادتیں اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہیں ہی نہیں تو پھر اجر کیوں ملتا ہے؟ تو علما نے لکھا کہ اجر ملنے کی مثال یہ ہے کہ اگر آپ کا بچہ پہلے دن سکول چلا جائے اور واپس آئے اور آپ کو تختی دکھائے کہ ابو میں نے لکھا ہے اور اس پر اس نے ٹیڑھی میڑھی لکیریں لگائی ہوئی ہیں اور سیاہی کے دھبے بھی لگائے ہوئے ہیں اور کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کیا لکھا ہے؟ تو بچے کا دل رکھنے کے لیے آپ اس کو آئسکریم دے دیتے ہیں۔ اب یہ جو آئسکریم ملی یہ خوش خطی کی وجہ سے نہیں ملی یہ آئسکریم شفقت کا اظہار ہے، جو باپ کو بیٹے کے اوپر ہے۔

بالکل اسی طرح ہماری عبادتیں اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان تو نہیں ہوتیں، میرا مالک اس پر اجر کیوں دیتا ہے؟ اس شفقت، رحمت اور محبت کی بنا پر دیتا ہے جو اللہ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔

عبادات کے بعد بھی استغفار:

اسی لیے دین اسلام میں عبادتیں کرنے کے بعد استغفار کرنے کی تعلیم دی گئی۔

وضو کے بعد استغفار:

اب جو بندہ وضو کرتا ہے تو وضو سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو آنکھوں سے گناہ کیے وضو کرتے ہوئے وہ گناہ دھل گئے۔ کلی کی، زبان سے جو گناہ کیے دھل گئے۔ ہاتھ سے جو گناہ کیے ہاتھ دھونے سے وہ دھل گئے۔ تو ایسی عبادت کی جس سے گناہ دھل جاتے ہیں، مگر اس عبادت کے بعد بھی استغفار کا حکم۔ چنانچہ دعا سکھائی گئی وضو کرنے کے بعد دعا پڑھے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ

اے اللہ! میں آپ کے سامنے استغفار کرتا ہوں، یعنی وضو کر کے بھی استغفار۔

نماز کے بعد استغفار:

اچھا اس سے اعلیٰ عبادت ہے نماز، تو نماز کے بعد بھی استغفار کی ترغیب دی گئی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام سلام پھیرنے کے بعد ایک مرتبہ فرماتے ''اللہ اکبر'' اور تین مرتبہ فرماتے:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ

یہ استغفار کیوں تھا؟ یہ استغفار اس لیے تھا کہ اللہ مجھے جس حضوری کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے تھی میں نہیں پڑھ سکا، اب میری اس ادھوری عبادت کو آپ قبول فرما لیجیے۔ تو جس نے کہا نا! اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں:

پلیز، پلیز آپ مان جائیں تو بالکل اس استغفار کا یہی مطلب ہے، ہم کہتے ہیں: پلیز اللہ تعالیٰ پلیز آپ مان جایئے، میرے اس عمل کو قبول فرمالیجیے۔

تہجد میں استغفار:

اور نمازوں میں تہجد کی نماز اور اعلیٰ عبادت حالانکہ وہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جوش میں ہوتی ہے، مگر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾

(الذاریات:۱۷۔۱۸)

کہ وہ لوگ جو ساری رات عبادت میں گزار دیتے تھے، سحری کے وقت وہ بھی اللہ کے سامنے استغفار کرتے تھے، تہجد کے بعد بھی استغفار۔

حج کے بعد استغفار:

اچھا ایک اور عبادت ہے جس کو حج کہتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ کہ حج مبرور کا بدلہ

((لَيْسَ لَهُ الجَزَآءُ اِلَّا الْجَنَّة))

''جنت کے سوا کوئی دوسرا بدلہ نہیں ہوسکتا''

اور جس کو حجِ مبرور نصیب ہو گیا

((رَجَعَ كَيَوْمِ وُلِدَ مِنْ اُمِّہٖ)) (البخاری، رقم:۱۴۲۴)

''ایسے لوٹتا ہے جیسے اس کی ماں نے پیدا کیا تھا''

وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسے اس دن پاک تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔ حج قبول ہو جائے تو بندہ اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جس طرح پیدا ہونے کے دن پاک صاف ہوتا ہے۔ اب بتایئے! کہ حج کتنا بڑا

عمل ہے؟

گناہوں کو مٹا دینے والے تین عمل:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ تین عمل گناہوں کو بالکل مٹا دیتے ہیں۔

① جو بندہ اسلام قبول کر لیتا ہے پہلے کے سب گناہ معاف۔فرمایا:

((اَلْاِسْلَامُ یَهْدِمُ مَنْ کَانَ قَبْلَهٗ)) (صحیح مسلم،رقم:۱۷۳)

''اسلام جو کچھ پہلے کر چکے اسے مٹا دیتا ہے''

② ہجرت بھی اپنے سے پہلے کے سب گناہوں کو معاف کروا دیتی ہے۔فرمایا:

((اَلْهِجْرَةُ تَهْدِمُ مَنْ کَانَ قَبْلَهٗ))(صحیح مسلم،رقم:۱۷۳)

ہجرت پہلے سب کچھ کو مٹا دیتی ہے

③ جو حج کرنے والا مقبول حج کرتا ہے،اس کے پہلے کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔فرمایا:

((اَلْحَجُّ یَهْدِمُ مَنْ کَانَ قَبْلَهٗ))(صحیح مسلم،رقم:۱۷۳)

تو کتنا بڑا عمل ہے مگر حج کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم استغفار کرو!
چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾

مقام عرفات مزدلفہ پر آنے والوں کو حکم دیا جا رہا ہے۔

اب تم منیٰ کی طرف آ رہے ہو،اب تم بھی استغفار کرو!تو حج پر بھی استغفار۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو استغفار کا حکم:

اور دیکھیے نبی علیہ السلام کی کتنی عبادت بھری زندگی کامل زندگی اتنی عبادت

فرماتے تھے:

((حَتّٰی یَتَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ)) (سنن ابن ابی ماجہ، رقم: ۱۴۰۹)

''حتیٰ کہ قدمین مبارک پر ورم آ جاتی تھی''

اور آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا میں نے اپنا منصب پورا کر دیا؟ انہوں نے جواب دیا:

'' اَدَّیْتَ الْاَمَانَةَ''

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے امانت کو پہنچا دیا۔''

امت کو صحیح نصیحت کر دی، حق ادا کر دیا۔

نبی علیہ السلام نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرمایا:

'' اَللّٰهُ اشْهَدْ ''

''اے اللہ آپ گواہ رہنا''

اب اتنی کامل زندگی کہ جنہوں نے اپنے منصب کو پورا کرنے کا حق ادا کر دیا جب وہ لوٹ کر واپس آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو پیغام ملتا ہے، میسج مل جاتا ہے، کیا؟

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ﴾ (النصر: ۱-۳)

حیران ہوتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو حکم ہو رہا ہے کہ اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے بعد آپ استغفار کیجیے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ کوئی مائی کا لال ایسا نہیں جنا کہ جو کہے کہ اب مجھے استغفار کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمیں تو ہر وقت استغفار کرنا چاہیے۔ تو استغفار

سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔

تیسرا سبب

انسان کے نیک اعمال

تیسرا سبب جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں اس کو کہتے ہیں:

"اَلْحَسَنَاتُ مَاحِیَۃٌ"

کہ ہم جو نیک اعمال کرتے ہیں تو نیک اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ﴾ (ھود:۱۱۴)

"بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں"

اس لیے ہمیں چاہیے کہ اتنی زیادہ نیکیاں کریں تاکہ گناہوں کی بخشش ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی بندے کو غیبت کا مرض تھا اور اس نے غیبت کے ذریعے اللہ کے بندوں کو بہت تکلیف پہنچائی تو اب اگر اس نے توبہ کر لی تو اس کو چاہیے کہ وہ اب اس زبان سے دین کی دعوت کا کام کرے۔ تاکہ اللہ کے بندوں کو خیر کی طرف بلائے اور اس زبان کو اللہ کے دین کے لیے استعمال کرے۔

یا ایک بندہ شراب پیتا تھا، توبہ کر لی، اب اس کو چاہیے کہ وہ نیک اعمال کرے بالخصوص اللہ کے بندوں کو پانی پلائے، سبیل لگائے۔ کیوں؟ یہ جیسا گناہ کرتا تھا اسی قسم کی نیکی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس گناہ کو جلدی معاف فرما دیں گے۔

تو معلوم ہوا کہ اگر ہم نیکیاں زیادہ کریں گے تو اللہ رب العزت ہمارے

گناہوں کو جلدی معاف فرمائیں گے۔

ایک بندہ بدنظری کرتا تھا اس نے سچی توبہ کر لی تو اب اسے چاہیے کہ قرآن کی تلاوت زیادہ کرے، جن نگاہوں سے بیٹھ کے یہ غیر کو دیکھتا تھا اب انہی نگاہوں کو اللہ کے قرآن پر ڈالے تو اس عمل سے اللہ تعالیٰ پچھلے سارے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ ان نگاہوں سے اللہ کے گھر کو دیکھے، ان نگاہوں سے اللہ والوں کے چہرے کو دیکھے، کیوں؟ اس لیے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

جسم ادھار کا مال ہے:

نیکیاں زیادہ کریں، دوڑ دوڑ کے نیکیاں کریں اور دستور یہی ہے، جیسے ادھار کی کوئی چیز ہوتی ہے تو اس سے تھوڑے وقت میں زیادہ کام نکالتے ہیں۔ آپ دیکھیں آپ کی استری کسی وقت میں جل گئی، دفتر بھی جانا ہے اور آپ کی گھر والی وہ اپنی بہن کے گھر سے استری منگوا لیتی ہے کہ ابھی تو خرید نہیں سکتے۔ تو جب وہ منگوائے گی استری تو فقط آپ کے کپڑے استری نہیں کرے گی، اپنے بھی کر لے گی، بچوں کے بھی کر لے گی، دو چار دن کے کپڑے نکال لے گی، بھائی ایک دفعہ مانگا ہے بار بار چیز تو نہیں مانگی جاتی۔ تو معلوم ہوا جو مانگی ہوئی چیز ہوتی ہے، ادھار کا مال ہوتا ہے اس سے تھوڑے وقت میں زیادہ کام نکال لیا جاتا ہے۔ اب اگر یہ اصول بنا تو یہ جسم ہمارے پاس ادھار کا مال ہے، یہ ہماری ملک نہیں ہے، یہ ہمارے اللہ کی ملکیت ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی کے کچھ ایام کے لیے یہ ہمیں عطا فرما دیا۔ جیسے کرائے کا مکان ہوتا ہے آپ یوں سمجھیں کہ کرائے کا جسم ہے، اللہ نے ہمیں عطا کر دیا ہے۔ کرائے کی گاڑی چلاتے ہو اپنے زیادہ کام نکالتے ہو تو پھر اس جسم سے بھی جتنی نیکیاں کر سکتے ہو کر لو۔ کرائے کے جسم سے جتنی زیادہ نیکیاں کر لیں گے اتنا ہی زیادہ ہمیں فائدہ ہو جائے

گا۔

مرنے کے بعد ہے آرام:

اس لیے اللہ والے زندگی میں آرام نہیں کرتے، وہ آرام مرنے کے بعد کرتے ہیں۔ زندگی میں آرام نہیں ہوتا، ان کا دن نیکیوں سے بھرا ہوتا ہے اور ان کی راتیں بھی ان کے دنوں کی مانند ہوا کرتی تھیں۔ ان کی زندگیوں میں دن اور رات کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ یہ تو میرا آپ کا فرق ہے نا! کہ رات آگئی سو جائیں، اللہ والوں کی زندگیوں میں یہ فرق نہیں رہتا، ان کو رات رات نظر نہیں آتی، دن دن نظر نہیں آتا، وہ سمجھتے ہیں جب تک سانس میں سانس ہے ہم اپنے اللہ کے دین کا کام کرتے رہیں گے، ایسے ہی صحابہ نے کام کیا تھا۔ تو ہم اس جسم کو جتنا نیکی میں کھپالیں تھکالیں اتنا زیادہ بہتر ہے۔

دلہن کی نیند سو جا:

ایک آدمی اس بے ثبات دنیا سے فوت ہو جاتا ہے تو حدیثِ پاک میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتے کو کہتے ہیں کہ جاؤ میرے بندے کو کہہ دو: تھکے ماندے آئے ہو

((نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ)) (ترمذی، رقم ۱۰۹۲)

''اب تم دلہن کی نیند سو جاؤ''

تو کس کو کہیں گے کہ تھکا ماندہ آیا ہے؟ جو کچھ کر کے آئے گا اسی کو ہی کہیں گے کہ بھئی تھکا ماندہ آیا ہے۔

اچھا یہاں مفسرین نے ایک نقطہ لکھا ہے سنتے جائیے۔ یہ کیوں کہا کہ دلہن کی نیند سو جا؟ یہ بھی کہہ سکتے تھے میٹھی نیند سو جا، آرام کی نیند سو جا، پرسکون نیند سو جا، مگر یہ کیوں

کہا کہ دلہن کی نیند سو جا؟ حدیث میں دلہن کا لفظ ہے ''نومة العروس'' اس لیے کہ عام دستور یہ ہے کہ دلہن کی رخصتی ہو اور پہلی رات اگر بیٹھے بیٹھے اس کو نیند آ جائے خاوند کی انتظار میں تو دلہن جب سوتی ہے اس کو وہی جگاتا ہے جو اس کا محبوب ہوتا ہے، خاوند ہوتا ہے۔ دلہن کی آنکھ جب پڑی تو خاوند کے چہرے پر پڑی، یہ مؤمن آج قبر میں سو رہا ہے، قیامت کے دن اس کو وہ جگائے گا جو اس کا محبوب ہوگا۔ مومن کی آنکھ کھلے گی اس کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، اس لیے کہا کہ دلہن کی نیند سو جا۔ تو الحسنات الماحیة یعنی نیک کام زیادہ کرنے سے انسان کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

چوتھا سبب

مومن کی مومن کے لیے دعا

چوتھا سبب جس کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں فرمایا کہ

''دُعَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلْمُؤْمِنِ''

مومن لوگ جب کسی کے لیے دعا کرتے ہیں تو اس مومن کے گناہ اس وجہ سے بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

◉...... چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے حدیث پاک میں آیا ہے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ يَمُوْتُ وَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا اِلَّا شَفَّعَهُ اللّٰهُ)) (صحیح مسلم، رقم: ۱۵۷۷)

''جو مسلمان آدمی فوت ہو اور اس کے (جنازے کے) لیے چالیس آدمی کھڑے ہو جائیں تو اللہ شفاعت فرما دیتے ہیں۔''

کہ جو بندہ بھی مسلمان ہو جب فوت ہوتا ہے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے چالیس ایمان والے اکٹھے ہو جاتے ہیں یعنی نماز جنازہ میں چالیس بندے بھی اگر شریک ہو جائیں توحید والے ہوں مشرک نہ ہوں تو ان چالیس بندوں کے جنازہ کی نماز پڑھنے پر اللہ تعالیٰ میت کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ تو دیکھو کہ مومنین کی دعا پر گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی اللہ رب العزت کی شان ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اپنے گھر والوں کے لیے، دوستوں کے لیے، بھائیوں کے لیے، امت کے لیے دعائیں مانگا کریں۔ ہماری دعاؤں سے اللہ تعالیٰ پتہ نہیں کس کس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔

◎......حدیث پاک میں آتا ہے کہ دوست کی دعا پیٹھ پیچھے اگر دوست کے لیے مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتے ہیں (زاد الطالبین)۔ تم ہم اپنی دعاؤں میں اپنے دوستوں کو شامل کیا کریں اور اپنے دوستوں کو دعاؤں کے لیے کہا بھی کریں۔ کیا خبر کس کے حق میں قبول ہو جائے۔ (زاد الطالبین)

◎......اچھا مسافر کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، حدیث پاک میں آتا ہے کہ مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (زاد الطالبین)

ہم میں سے کتنے لوگ ہیں سفر پر نکلتے ہیں اور پھر کیا سفر میں کبھی گڑگڑا کے دعائیں بھی مانگتے ہیں؟ اپنے لیے یا گھر والوں کے لیے؟ دھیان ہی نہیں ہوتا۔ دھیان کیوں نہیں ہوتا؟ اس طرف کی آگ جو نہیں لگی، جب آگ لگ جائے گی پھر انسان احساس کرے گا اور طریقے ڈھونڈے گا کہ کس کس طریقے سے کس کس موقعے پر گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

تو بہر حال دعاؤں میں کمی نہیں کرنی چاہیے خوب دعائیں مانگنی چاہئیں اور پوری

امت کے لیے دعائیں مانگنی چاہئیں۔اس لیے قرآن مجید میں دعا سکھائی گئی۔

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾ (الحشر:۱۰)

دیکھا اپنے سے پہلے ایمان والے چلے گئے ان کی مغفرت کی دعا سکھائی گئی۔تو معلوم ہوا کہ دعا سے اللہ تعالیٰ دوسرے مومنین کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں تو یہ چوتھا سبب ہے گناہ کے معاف ہونے کا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جا رہے تھے عمرے کے لیے تو نبی علیہ السلام نے رخصت کیا اور رخصت کرتے ہوئے فرمایا: اے بھائی!

((لَا تَنْسَنَا مِنْ دُعَائِكَ)) (مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۹۵)

ہمیں اپنی دعا میں نہ بھولنا۔

تو نبی علیہ السلام نے امت کو تعلیم دی کہ اگر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم عمر رضی اللہ عنہ کو دعا کے لیے فرماتے ہیں تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اپنے ساتھیوں کو، بھائیوں کو، گھر والوں کو، دعا کے لیے کہا کریں۔تو مومن کی دعا سے بھی اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔

پانچواں سبب

مرنے والے کے لیے نیکی کرنا

پانچواں سبب جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں فرمایا:

"مَا يَعْمَلُ مِنْ مَّيِّتٍ"

میت کی طرف سے کوئی نیک کام اگر کیا جائے تو اس نیک کام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس میت کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔جیسے دعا سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں تو نیک کام کی وجہ سے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔جیسے الصدقۃ اس کی

طرف سے صدقہ دے دیا جائے، اب کسی کے والدین فوت ہوئے۔ وہ ان کی طرف سے مسجد بنادے، مدرسہ بنادے، یا کسی مستحق غریب فقیر کو دے دے۔ اپنے والدین کو ثواب پہنچانے کی نیت سے دے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے والدین کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

بعض لوگ نبی علیہ السلام جیسے امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے اسی طرح دوسروں کی طرف سے قربانی کرتے ہیں یہ بھی گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ تو کوئی بھی نفلی نیک کام جو کسی کی طرف سے کر دیا جائے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔

ایک عجیب واقعہ:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے ''فضائلِ صدقات'' میں ایک اللہ والے تھے کسی قبرستان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے کچھ پڑھ کے قبرستان کے مردوں کو بخش دیا۔ رات خواب میں دیکھا کہ قبرستان کے مردے ایک جگہ اکٹھے ہیں تو اچانک ایک بندہ بڑی ساری گٹھڑی لے کے آیا اور گٹھڑی اس نے رکھ دی اور سارے کے سارے جو مردے تھے وہ اس گٹھڑی کی طرف بھاگے۔ ایک بندہ پیچھے بیٹھا رہا، انہوں نے اس بندے سے پوچھا کہ بھائی معاملہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ بھائی ہم لوگ یہاں پر اس جہان میں ہیں، ہمارے پیچھے کوئی ہماری محبت والا ہمیں تحفہ بھیجتا ہے، نیک عمل کا ہدیہ بھیجتا ہے تو یہ ہمیں ڈاک ملتی ہے۔ جیسے دنیا میں لوگوں کو ڈاک مل جاتی ہے تو یہ ڈاک آئی ہے، اب ہر ہر بندہ اپنی ڈاک لینے کے لیے وہاں جا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ بھئی! آپ کیوں نہیں جا رہے؟ اس نے کہا کہ میں بعد میں لے لوں گا۔ تمہیں ضرورت نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ ضرورت تو ہے لیکن الحمد للہ

میرا ایک بیٹا ہے اور وہ قرآن کا حافظ ہے، وہ روز قرآن پڑھتا رہتا ہے اور اس کی مجھے اتنی ڈاک ملتی ہے کہ مجھ پر اللہ کا فضل ہے۔ اس نے کہا: تیرا بیٹا کون ہے؟ اس نے خواب میں بتایا کہ فلاں جگہ اس کی دکان ہے۔ یہ بزرگ دوسرے دن جب بازار میں گئے تو دیکھا کہ ایک نوجوان ہے اور بیٹھ کے دکان داری کر رہا ہے، گاہک آتے ہیں تو ان کو بھی بھگتا دیتا ہے اور جب گاہک چلے جاتے ہیں تو اللہ کا قرآن پڑھنا شروع کر دیتا ہے، تو یہ پہچان گیا کہ اس بچے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے اس کے والد کے درجات بلند ہو رہے ہیں۔

اللہ کی شان کچھ عرصہ کے بعد پھر ان کا وہاں سے گزر ہوا، پھر انہوں نے کچھ پڑھ کر قبرستان کے مردوں کو بخشا، رات کو پھر خواب دیکھا کہ ایک آدمی گٹھڑی لایا اور جب اس نے کھولی تو سارے مردے اس کی طرف دوڑے، اب یہ بندہ جو پہلے بیٹھا تھا یہ بھی بھاگا، انہوں نے پوچھا کہ بھئی! کیا معاملہ؟ کہنے لگا کہ ایک ایکسیڈنٹ میں میرے بچے کی وفات ہو گئی اب اور کوئی بھیجنے والا ہے نہیں۔ اب جو عمومی ڈاک آتی ہے میں بھی جاتا ہوں اس میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہوں۔

تو دیکھیے اپنی اولادوں کو عالم بنانا، حافظ بنانا، نیک بنانا، اس کا اجر ہمیں اگلے جہان میں بھی پہنچتا رہے گا۔ تو فرمایا کہ اس سے بھی انسان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

چھٹا سبب

دنیا کے مصائب و آلام

چنانچہ چھٹا سبب جس کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں فرمایا:

((اَلْمَصَائِبُ الَّذِیْ یُکَفِّرُ اللّٰہُ بِھَا الْخَطَایَا فِی الدُّنْیَا))

(حقیقۃ الایمان:۱/۱۳۸)

"مصائب کے ذریعے اللہ تعالیٰ دنیا کی خطاؤں کو مٹا دیتے ہیں"

مومن کو اس دنیا میں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے اس مصیبت کے بدلے اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ پریشانی چھوٹی ہو یا بڑی ہر پریشانی پر مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

ہر پریشانی پر گناہ معاف:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی ﷺ تشریف فرما تھے، چراغ جل رہا تھا، ہوا کا جھونکا آیا چراغ بجھ گیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

ام المومنین عائشہ صدیقہ بڑی حیران، اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! یہ تو اس وقت پڑھا جاتا ہے جب کوئی آدمی فوت ہو جائے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: یہ مصیبت کے وقت پڑھا جاتا ہے اور اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے اوپر بندے کو اجر عطا فرما دیتے ہیں۔ اب سوچنے کی بات ہے! اگر چراغ بجھنا مومن کی مصیبت ہے اور اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں جب گھر میں کسی بندے کی زندگی کا چراغ گل ہو جائے اور پھر اس پر صبر کر لے تو اللہ کی طرف سے کتنا اجر ملے گا؟ تو جو بھی مصیبتیں آتی ہیں ان سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

حتی کہ علمانے لکھا ہے کہ ایک بندے کی دو جیبیں ہیں اور اس کی عادت ہے ایک جیب میں کچھ پیسے رکھنے کی، مگر غلطی سے ایک مرتبہ وہ دوسری جیب میں رکھ بیٹھا، اسے یاد نہ رہا، اب جب نکالنے کا وقت آیا تو حسب دستور اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جیب خالی تھی، اس کو ایک دم شاک ہوا کہ میرے پیسے کہاں گئے اور پھر دوسری

جیب میں سے مل بھی گئے تو یہ جو ایک لمحے کی پریشانی آئی اللہ اس پر بھی گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ ہر چھوٹی بڑی پریشانی سے گناہ معاف ہوتے ہیں اگر ان پر صبر کرے۔ بے صبرا بن جائے گا تو پھر گناہ معاف نہیں ہوں گے۔

اچھا یہاں ایک بات تفصیل کے ساتھ سمجھنے والی ہے کہ مصیبت مانگنی نہیں چاہیے، ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ہم مصیبتوں کو برداشت کرسکیں ہم بہت کمزور ہیں، لیکن اگر اللہ کی مشیت سے آجائے تو اس پر صبر کرلیا کریں تاکہ اس مصیبت پر ہمارے گناہ معاف ہوجایا کریں۔

دوطرح کی مصیبت:

اب مصیبت دوطرح سے آتی ہے کبھی بندے کے گناہوں کا وبال اور سزا بن کر آتی ہے اور کبھی بندے کے درجات بڑھانے کے لیے آتی ہے۔ مثلاً بندے نے دعا مانگی: اللہ مجھے اپنا قرب عطا کردے! اب اس کے عمل تو ایسے ہیں نہیں کہ قرب ملے، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرلی۔ تو کیا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی چھوٹی موٹی پریشانی حالات کی تنگی بھیج دیتے ہیں، بندہ جب اس پر صبر کرتا ہے، اس عمل کو بہانہ بنا کر اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنا قرب عطا فرما دیتے ہیں۔ تو مصیبت دونوں طریقوں سے آتی ہے کبھی گناہوں کی سزا کے طور پر اور کبھی بندے کے درجات کو بڑھانے کے طور پر۔ ہمیں کیسے پتہ چلے کہ مصیبت کیوں آئی؟ اب اس کی پہچان سن لیں آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ میرے اوپر یہ پریشانی کیوں آئی ہے؟

وبال والی مصیبت کی نشانی:

جب مصیبت آئے اور مصیبت کی وجہ سے بندے کے اندر شکوے شکائتیں پیدا

ہو جائیں: اللہ میری دعا نہیں سنتا، میں نے بڑی دعا مانگی ہے، او جی کیا کریں حالات ٹھیک نہیں ہو رہے، لوگوں کے سامنے شکوے کرتا پھرتا ہے۔ جو بندہ مصیبت پر لوگوں کے سامنے شکوے کرے نمبر ایک اور دوسرا اس کے دل میں مایوسی سی ہو اللہ کی طرف سے، یہ دو، اس بات کی علامتیں ہیں کہ یہ بندہ اس مصیبت میں گناہوں کے وبال کے طور پر گرفتار کر لیا گیا۔ اب کچھ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ذرا سی پریشانی آئی اور مسجد آنا بند، آپ پوچھیں کہ بھئی! آپ کو مسجد میں نہیں دیکھا کیا بات بنی؟ او جی کچھ کاروباری پریشانی ہے، ذرا ٹھیک ہو گئی تو میں آؤں گا۔ یہ نہیں کہ کاروباری پریشانی آئی تو جو در سب سے پہلے چھوٹا وہ خدا کا در تھا، خدا کا در چھوٹ گیا، نمازیں چھوٹ گئیں، تلاوت چھوٹ گئی، اعمال چھوٹ گئے۔ جب اعمال سے بندہ محروم ہو جائے لوگوں کے سامنے شکوے کرنے لگ جائے اور مایوسی کی کیفیت ہو جائے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مصیبت اس کے گناہوں کے وبال کے وجہ سے آئی ہے۔

درجات والی مصیبت کی نشانی:

اور جب کوئی مصیبت آئے لیکن بندہ اعمال میں آگے بڑھ جائے، پہلے نمازیں کم پڑھتا تھا، اب اشراق بھی پڑھ رہا ہے، اوابین بھی پڑھ رہا ہے، تہجد بھی پڑھ رہا ہے، صلوٰۃ الحاجت بھی پڑھ رہا ہے۔ پہلے ایک صفحہ قرآن پاک کا پڑھتا تھا اب ایک پارہ قرآن پڑھ رہا ہے، سورہ یٰسین پڑھ رہا ہے۔ پہلے دو منٹ کی دعا مانگتا تھا، اب دس دس منٹ، پندرہ منٹ بیٹھ کے دعا مانگ رہا ہے۔ جب بندے کی مصیبت کی وجہ سے بندے کے اعمال میں اضافہ ہو جائے اور بندے کے دل میں اللہ سے امید لگی ہو کہ میرا اللہ اس مصیبت کو ٹال دے گا، یہ دو علامتیں ہیں کہ یہ مصیبت اس بندے کے درجات کو بڑھانے کے لیے آئی ہے۔

مصیبت باعثِ رحمت:

ہمارے بزرگ تو مصیبتوں کے آنے پر زیادہ خوش ہوتے تھے کیوں کہ وہ بڑے لوگ تھے، وہ کہتے تھے کہ خوشیاں سلاتی ہیں اور غم جگاتے ہیں۔ غم ہوتا ہے تو فکر ہوتی ہے۔ کسی نے کہا ؎

سکھ دکھاں تے دیواں وار
دکھاں آن میلایم یار

''میں دکھوں کو سکھوں کے اوپر قربان کردوں ان دکھوں نے مجھے میرے یار سے ملا دیا''

تو یہ مصیبتیں بھی کئی مرتبہ رحمت ہوتی ہیں۔ آپ نے کئی مرتبہ دعا مانگی: اللہ! میرے گناہ معاف کردے! اللہ نے دعا قبول کرلی۔ اب گناہ معاف کرنے کے لیے اللہ نے چھوٹی سی پریشانی بھیجی۔ اب ہم پریشانی پر شکائتیں کرنی شروع کردیتے ہیں۔ او خدا کے بندے! خود ہی تو دعا مانگی تھی، اب پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے یہ اصول بنالیں کہ مصیبت پریشانی کے آنے پر کبھی مخلوق کے سامنے شکوہ مت کریں، کبھی بھی شکوہ نہ کریں۔ صبر کرلیں صبر کا اجر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو آپ کے لیے آخرت کے درجات بڑھانے کا سبب بنا دیں گے۔ تو چھوٹی موٹی پریشانی، مصیبت آنے پر آگے سے شکوہ کر دینا یہ عادت اچھی نہیں ہے، صبر کرلیجیے! ہم امتحان کی جگہ پر ہیں، یہاں کون بندہ ہے جس کے اوپر پریشانی نہیں آئی۔ اس دنیا میں کوئی بندہ ایسا نہیں جس پر پریشانی نہ ہو، فرق اتنا ہے کچھ دنیا کے لیے پریشان ہوتے ہیں اور کچھ اللہ والے دین کے لیے پریشان ہوتے ہیں۔ پریشان سب ہوتے ہیں، ہمارے اللہ والوں کا راتوں کو رو رو کر وقت گزرتا ہے۔ نبی علیہ السلام راتوں کو

امت کے لیے رویا کرتے تھے تو اس دنیا میں پریشانیاں تو آنی ہی ہیں۔

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ﴾ (البقرة:۱۵۵)

''اور ہم تمہیں کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں کے نقصان اور جانوں کے نقصان سے اور میووں کے نقصان سے آزمائیں گے''

مگر جو صبر کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ﴾ (البقرة:۱۵۵)

صبر کرنے والے کو بشارت عطا کر دیجیے۔

شکووں میں ناشکری ہے:

تو اسی لیے ذرا ذرا سی بات پر شکائتیں کر دینا، لوگوں کو کہنے لگ جانا، یہ حقیقت میں اللہ کی شکایت ہوتی ہے۔ اس لیے بزرگ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں الہام فرمایا کہ میرے بندے! لوگوں کو کہہ دو کہ ذرا سی ان کو رزق میں تنگی آتی ہے یہ فوراً لوگوں کے درمیان بیٹھ کر میرے شکوے شروع کر دیتے ہیں جبکہ ان کے نامۂ اعمال گناہوں سے بھرے ہوئے میرے پاس آتے ہیں میں فرشتوں میں ان کی شکایت تو نہیں بیان کرتا۔ تو ہمیں بھی شکوے نہیں کرنے چاہیے۔ یہ اللہ کے شکوے ہوتے ہیں کہ یہ کام نہیں ہوا، یہ کام نہیں ہوا۔ ہاں کسی کو دعاؤں کے لیے کہنا ہے اس کے سامنے تو حالات کھولنے ہی ہوتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مریض طبیب کے سامنے مرض کو کھولتا ہے، یہ تو ٹھیک ہے، لیکن ہر بندے کو دو منٹ کے لیے بھی بیٹھے تو سب کچھ سنا دینا یہ درست نہیں۔ جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جی خاوند ایسا نہیں، خاوند میں یہ نہیں، ساس ایسی نہیں، فلاں ایسی نہیں تو دو منٹ میں باہر کا بھی بتا

جاتی ہیں جو پیٹ میں ہوتا ہے اس کے بارے میں بھی بتا جاتی ہیں، ان کی یہ حالت ہوتی ہے۔ تو کبھی بھی اس قسم کے حالات مخلوق کے سامنے نہیں بولنے چاہئیں۔ ہم مخلوق کے سامنے کہتے ہیں اور وہ مخلوق خود محتاج ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ فیصلہ کر لیں کہ میرے مولیٰ نے مجھے جس حال میں رکھا ہے میں اپنے مولیٰ سے راضی ہوں، میں اپنے اللہ سے راضی ہوں۔ جب آپ اپنے رب سے راضی ہوں گے تو دیکھیے اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمتیں ہوں گی۔

صبر کا انعام:

ہم ایک دنیا کی مثال دیتے ہیں کہ بالفرض اگر کوئی بندہ گھر میں مٹھائی لائے اور وہ بچوں میں تقسیم کرے اور ایک بچے کا حصہ ذرا کم بچ جائے اور وہ بچہ وہی خوشی خوشی لے لے تو باپ بھی اس بات کو یاد رکھتا ہے اور دوسری مرتبہ اس کو کئی گنا زیادہ قیمتی چیز لا کے دے دیتا ہے کہ میرے اس بچے نے صبر کر لیا تھا۔ اسی طرح جب پریشانیاں آتی ہیں تو جو بندہ صبر کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں میرے بندے نے میری دی ہوئی مصیبت پر صبر کر لیا، اب میں اس بندے کے لیے راحت کا انتظام فرما دیتا ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ مہربانی فرما دیتے ہیں۔ تو یہ مصیبتیں مومن کے گناہوں کو معاف کروانے کا سبب بن جاتی ہیں۔ کاروباری پریشانی، گھر کی پریشانی، بیماری یا کوئی اور ایسی چیز ہو اس کی وجہ سے بندے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو آپ پریشان نہ ہوا کریں اس موقع پر بلکہ یہ کہا کریں اس موقع پر کہ اے اللہ! ہم اس قابل تو نہیں ہمیں ان کو برداشت کرنے کی ہمت بھی عطا فرما اور ان سے بڑھ کر ہماری امیدوں سے بھی زیادہ اجر اور بدلہ عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں اور پریشانیوں پر بندے کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور آخرت کے درجات بھی عطا فرما دیتے

ہیں۔

کیسے کیسے غم؟

اب دنیا کی پریشانیاں بھی کیا پریشانیاں ہیں؟ ذرا توجہ فرمایئے گا۔اب کیسے کیسے پریشان لوگ دنیا میں آئے،توجہ کیجیے میں کبھی سوچتا ہوں نا کہ بہادر شاہ ظفر وقت کا بادشاہ تھا اور اس کو دعوت پر بلایا گیا اور جو برتن کھولتا تھا اس کے ایک بیٹے کا سر اس میں رکھا ہوتا تھا۔فرنگیوں نے اس کے بارہ بیٹوں کو ذبح کر کے ان کے سر اس کے سامنے دسترخوان پر رکھے۔جس باپ کے اوپر یہ غم آیا کہ ایک برتن کھولا بیٹے کا سر دوسرے میں دوسرے بیٹے کا،تمام بیٹوں کے سر جس آدمی کو برتن سے ملے اس کو کیا غم آیا ہوگا۔تو ایسے ایسے حالات بھی آئے۔

چند جھونکے خزاں کے سہہ لو:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو بندہ ایسا ہوگا کہ دنیا میں سب سے زیادہ پریشان ہوگا،سارے انسانوں میں سب سے زیادہ مصیبت کا وقت اس نے گزارا ہوگا،خوشی دیکھی نہیں ہوگی،اللہ تعالیٰ اس بندے کو قیامت کے دن کھڑا کریں گے اور اسے جنت کے دروازے پر کھڑا کر کے جنت کی ہوا کا جھونکا لگوائیں گے اور پوچھیں گے میرے بندے! تو نے غم اور پریشانی کو دیکھا؟ وہ سارے غم بھول جائے گا،وہ قسم اٹھا کر کہے گا کہ میں نے کبھی غم کو دیکھا ہی نہیں تھا،ایک جنت کا جھونکا ساری زندگی کی غموں کو بھلا کر رکھ دے گا۔

اور پھر اللہ تعالیٰ اس بندے کو بلائیں گے جس نے سب سے زیادہ عیاشیوں میں وقت گزارا ہوگا اور اس بندے کو جہنم کی ہوا کا ایک جھونکا لگائیں گے اور پوچھیں گے:

بندے! تم نے کبھی خوشی کو دیکھا؟ عیش و آرام کو دیکھا؟ وہ قسم اٹھا کر کہے گا کہ اے اللہ! میں نے کبھی کوئی آرام اپنی زندگی میں دیکھا ہی نہیں تھا۔ تو جہنم کا ایک جھونکا سب خوشیوں کو مٹا کر رکھ دے گا اور جنت کا ایک جھونکا سب غموں کو مٹا کے رکھ دے گا۔ تو یہ دنیا کے غم اور پریشانیاں کیا ہیں؟ تھوڑی دیر کی بات ہے، پھر دیکھنا آگے جا کے کیا بنتا ہے۔ تو زندگی میں تھوڑا صبر کر لیجیے! ؎

نور میں ہو یا نار میں رہنا
ہر جگہ ذکرِ یار میں رہنا
چند جھونکے خزاں کے سہہ لو
پھر ہمیشہ بہار میں رہنا

یہ دنیا کی زندگی ہے، یہ خزاں کے چند جھونکے برداشت کر لیجیے پھر ان شاء اللہ جنت میں اللہ تعالیٰ خوشیاں عطا فرمائیں گے۔

ساتواں سبب

ساتویں چیز جس پر بندے کے گناہ معاف ہوتے ہیں

((مَا يَحْصُلُ بِالْقَبْرِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَالضُّغْطَةِ وَالرَّوْعَةِ))

(حقیقۃ الایمان:۱/۱۳۸)

مومن کو قبر میں جب دفن کیا جاتا ہے تو قبر میں جب اس کو ضغطۂ قبر پیش آتا ہے۔ قبر دباتی ہے، یا خوف ہوتا ہے اس کو قبر کے عذاب کی وجہ سے، اس خوف اور تنگی کی وجہ سے بھی اس بندے کے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ یہ ضغطہ بھی پیش آتا ہے بھئی! اور

یہ بھی ہر ایک کو پیش آنا ہے۔ ذرا توجہ رکھیے گا نیکوں کو بھی اور بروں کو بھی، فرق یہ ہوگا کہ بروں کو زیادہ ہوگا کہ پسلیاں ادھر کی ادھر چلی جائیں گی اور نیکوں کو کم ہوگا مگر آئے گا ضرور۔ ہاں اللہ جس کو چاہے اس سے معاف فرما دے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: سعد رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، ان کی وفات ہوئی، نبی علیہ السلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تو پھر جانے لگے، دفن کے لیے تو پنجوں کے بل چلنے لگے۔ صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے نبی! آپ کو کبھی ایسے چلتے تو نہیں دیکھا، فرمایا کہ سعد کے جنازے میں شرکت کے لیے اتنے فرشتے آسمان سے اترے ہیں مجھے پاؤں رکھنے کی جگہ بھی نہیں مل رہی۔ اتنے فرشتے جن کی نماز جنازہ میں آئے، نبی علیہ السلام نے ان کو دفن کر کے فرمایا کہ سعد کو بھی ضغطہ قبر پیش آیا۔ تو پھر ہماری کیا اوقات ہے؟ بھئی! یہ ضغطہ قبر پیش آنا ہے۔

ضغطہ قبر کیوں پیش آتا ہے؟

علما نے لکھا ہے کہ کیسے پیش آتا ہے کہ بھئی! جیسے آپ دنیا میں آئسکریم کھائیں Cost Pay (قیمت ادا) کرنی پڑتی ہے۔ ائرکنڈیشنڈ کمرے میں رہنا چاہیں تو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، ہر چیز کی Cost (قمیت) ہے نا۔ تو یہ جو ضغطہ قبر ہے یہ دنیا کی لذتوں کی کاسٹ ہے۔ جس بندے نے دنیا میں جتنی زیادہ لذتیں لی ہوں گی اس کے Proportional (تناسب) سے اس کو ضغطہ قبر پیش کیا جائے گا۔ اس لیے ہمارے بعض بزرگوں کا یہ عمل بھی ہے کہ کھانے لگتے تھے نا ان کو مزہ آتا تھا تو سالن میں تھوڑا پانی ملا دیتے تھے کہ نفس کو کیوں لذت دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے ضغطہ قبر نہ پیش آجائے۔ تو ہمارے اکابر اتنا لذتوں سے ڈرتے تھے اور ہم لذتوں پہ مرتے پھرتے ہیں۔ تو بھئی کم از کم حرام لذتیں تو چھوڑ دیں۔ چلو حلال لذتیں اللہ نے حلال

فرمائی ہیں، حرام کو تو چھوڑیں ہم۔ حرام لذتوں کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ اِدھر آنکھ اٹھا کے دیکھتے ہیں، اُدھر دیکھتے ہیں۔ ادھر سیل پر بات ہوتی ہے اُدھر سیل پر بات ہوتی ہے۔ اس کی Cost (قیمت) تو Pay (ادا) کرنی پڑے گی۔ یہ تو قبر میں جا کر پتہ چلے گا تو یاد رکھیے کہ ضغطہ قبر دنیا کی لذتوں کے تناسب سے ہوگا۔ جس نے دنیا میں سادہ زندگی گزاری ہوگی اس کو ضغطہ قبر کم پیش آئے گا اور اللہ تعالیٰ جس بندے کو چاہیں گے اس کو معاف بھی فرمادیں گے، ضغطہ قبر پیش ہی نہیں آئے گا لیکن جس کو پیش آیا اس ضغطہ کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ تو قیامت کے دن اس کے گناہ پھر کم پیش کیے جائیں گے۔

آٹھواں سبب

روزِ محشر کی سختی

اب آٹھواں سبب جس کی وجہ سے گناہ معاف ہوں گے، فرمایا:

((اَهْوَالُ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كَرْبُهَا وَ شَدَائِدُهَا)) (حقیقۃ الایمان: ۱/۱۳۸)

''قیامت کے دن کے احوال اور اس کی شدت''

قیامت کے دن لوگ جو کھڑے ہوں گے اس وقت لوگوں پر ایک خوف ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ لوگ کھڑے ہوں گے جہنم کو پیش کیا جائے گا، جہنم جوش میں ہوگی، اس کے اندر ابال ہوگا، اللہ! مجھے ان بندوں تک پہنچنے دو جو تیرے حکموں کی نافرمانی کرتے تھے۔ تو جہنم کے غصے کو دیکھ کر لوگوں پر ایک ہیبت طاری ہو جائے گی۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جہنم کی آگ کے انگارے اوپر اٹھیں گے اور اس وقت انبیا میں سے کوئی نبی بھی ایسا نہیں ہوگا جس کو یہ ڈر نہ ہوگا کہ کہیں یہ انگارے میرے اوپر نہ آ جائیں، وہ بھی ڈر رہے ہوں گے کہ پتہ نہیں آج یہ انگارے کیا کریں

گے۔ انبیا بھی تھرتھرا رہے ہوں گے اتنا ڈر کا وقت ہوگا۔ وہ جو قیامت کے وقت کا انسان کو خوف اور دہشت پیش آئے گی یا قیامت کے دن کی جو دھوپ ہوگی جس سے بندے کو پسینہ آئے گا، اس سے بھی اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

نواں سبب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

چنانچہ نواں سبب کہ جس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، فرمایا:

((شَفَاعَةُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي أَهْلِ الذُّنُوبِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ))

(بمصفل فی شرح حدیث)

کہ قیامت کے دن نبی علیہ السلام جو اپنے گناہ گار امتیوں کی شفاعت کریں گے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے بھی ان کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ سبحان اللہ!

شفاعت کن لوگوں کیلیے ہوگی؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کی شفاعت نیکوں کے لیے ہوگی؟ فرمایا:

((شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي)) (سنن ابی داود، رقم ۴۱۱۴)

''میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہونے والوں کے لیے ہوگی''

کہ گناہ تو کر بیٹھے ہوں گے مگر نادم بھی ہوں گے، پشیمان بھی ہوں گے اور کوشش بھی کریں گے دین پر چلنے کی تو ان کے ان گزرے گناہوں پر میری شفاعت ہوگی۔ اللہ گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے، ذرا دل کے کانوں سے سنیے! نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((خُيِّرْتُ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ أَوْ يَدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِيَ الْجَنَّةَ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ)) (مسند احمد، رقم:۵۴۵۲)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاعت کا اختیار دیا، اے میرے محبوب! یا تو ہم آپ کی آدھی امت کو جنت میں داخل کر دیں گے یہ پسند کر لیں یا پھر آپ قیامت کے دن جس کی شفاعت کریں گے وہ پسند کر لیں''

۔ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں:

((فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ))

''میں نے شفاعت کو پسند کر لیا۔''

شفاعت کی وجہ سے آدھی سے زیادہ میری امت کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہر نبی علیہ السلام کو ایک ایسی دعا مانگنے کا اختیار دیا کہ جیسے مانگی جائے گی وہ دعا ویسے ہی قبول ہو جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کیا انبیا نے دعائیں مانگیں فرمایا کہ ہاں سب انبیا نے دعائیں مانگیں۔ صحابی کہتے ہیں کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بھی دعا مانگی؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے دعا نہیں مانگی، میں نے اس کو ذخیرہ بنالیا۔ قیامت کے دن جب میری امت کے گناہ گار لوگ

کھڑے ہوں گے۔ میں اللہ کے سامنے اس وقت وہ دعا مانگوں گا اور جنت میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ میرا آخری امتی بھی جنت میں داخل نہیں ہو جائے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت حاصل کرنے کا طریقہ:

تو جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو دو عمل کرنے چاہئیں۔ ایک تو سنتوں پر عمل کرتے ہوئے دین کا کام کریں۔ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غم تھا اس کو اپنا غم بنائیں، اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کی سنتوں سے سجائیں اور دین کے کام کو اپنا کام بنائیں اور دوسرا تہجد کی پابندی کریں۔ کیونکہ مفسرین نے ایک نکتہ لکھا ہے ایک طالب علم ہونے کے ناطے وہ نکتہ آپ کو بتا دوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو

﴿ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ﴾

”اے محبوب! رات کو آپ تہجد ادا فرمائیے“

اب محبوب کو تہجد پڑھنے کا حکم ہے

اس تہجد پڑھنے پر ملے گا کیا؟

﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ (بنی اسرآئیل:۶۹)

”آپ کا پروردگار آپ کو مقامِ محمود عطا فرمائے گا“

یہاں مفسرین نے ایک نکتہ لکھا ہے۔ محبوب کے ساتھ جیسے تہجد کے پڑھنے پر مقام محمود کا اللہ نے وعدہ فرمایا، جو امتی تہجد کی پابندی کرے گا، اس کو بھی مقامِ محمود پر نبی علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی۔

دسواں سبب

اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت و مغفرت

دسواں سبب کہ جس کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں، حدیث پاک میں آتا ہے، فرمایا:

((رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ عَفْوُهٗ وَ مَغْفِرَتُهٗ بِلَا سَبَبٍ مِنَ الْعِبَادَةِ))

(الایمان الاوسط)

''قیامت کے دن اللہ رب العزت کی رحمت اور مغفرت کا اظہار ہوگا''

ایسا کہ بہت زیادہ، اتنا اظہار ہوگا کہ ایک بندہ پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی اللہ کے ڈر سے یا محبت میں رویا ہوگا اور چھوٹا سا آنسو نکلے گا اور ان آنسوؤں سے اس کی پلکوں کا ایک بال تر ہو جائے گا، وہ بال گواہی دے گا: اے اللہ! یہ زندگی میں ایک مرتبہ آپ کے خوف میں یا آپ کی محبت میں رویا تھا اور اس کی آنکھ سے چھوٹا سا مکھی کے سر کے برابر آنسو نکلا تھا اور اے اللہ! میں اس میں تر ہو گیا تھا، میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس بال کی گواہی کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ اس بندے کو جہنم سے نکال کر جنت عطا فرما دیں گے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے کہ پوری زندگی میں جس بندے نے ایک مرتبہ محبت کے ساتھ اللہ کا لفظ کہا ہوگا، پوری زندگی میں ایک مرتبہ اللہ کی محبت میں ڈوب کے اللہ کا لفظ کہا ہوگا، یہ ایک مرتبہ اللہ کا لفظ کہنا کبھی نہ کبھی جہنم سے نکل کر جنت میں جانے کا سبب بن جائے گا۔ اللہ کی رحمت کا ظہور ہوگا۔

﴿وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (الاحزاب:۴۳)

اللہ تعالیٰ قیامت والے دن ایمان والوں پر بہت زیادہ مہربان ہوں گے

شانِ رحیمی کے کرشمے:

حضرت قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اتنے مہربان ہوں گے کہ جب ان کی مغفرت ہوتے دیکھے گا نا شیطان، تو ایک لمحہ ایسا بھی آئے گا کہ شیطان بھی سر اٹھا کے دیکھے گا کہ شاید آج میری بھی مغفرت کر دی جائے گی، اتنا اللہ کے ہاں سے رحمت کا نزول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ مہربان ہیں اور ایمان والوں کے ساتھ۔

﴿وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (الاحزاب:۴۳)

تو اس دن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل سے ایمان والے بندوں کو معاف فرمائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوگا تو بھئی! جب اللہ تعالیٰ بندے پر اتنے مہربان ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آج اپنے گزرے گناہوں پر سچی توبہ کر کے آئندہ نیکوکاری کی زندگی گزارنے کا ارادہ کر لیں۔ اس لیے کہ قیامت کے دن رحمت کا ظہور اتنا ہوگا ؎

بے گناہوں میں چلا زاہد جو اس کو دیکھنے
مغفرت ہو گئی ادھر آ میں گناہ گاروں میں ہوں
وہ کرشمے شان رحمت کے دکھائے روز حشر
چیخ اٹھا ہر بے گناہ میں بھی گناہ گاروں میں ہوں

اتنا قیامت کے دن اللہ کی رحمت کا ظہور ہوگا کہ اس دن بے گناہ لوگ بھی تمنا کریں گے ہم بھی گناہ گار ہوتے اور ہمیں بھی اللہ کی رحمت سے حصہ مل جاتا۔ اللہ رب العزت کی رحمت کا قیامت کے دن اتنا ظہور ہوگا۔

ربِ غفار کو گنہگار کا انتظار:

اللہ تعالیٰ مہربان ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندے توبہ کریں تو آج اس محفل میں ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر کے اپنے پروردگار کو منالیں۔ پچھلے گناہوں سے سچی توبہ کر کے آئندہ نیکوکاری کی زندگی گزارنے کا دل میں ارادہ کرلیں۔ کتنی بار یہ عاجز آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہے کہ میرے دوستو! بچھڑے بیٹے کا ماں اتنا انتظار نہیں کرتی جتنا بگڑے ہوئے بندے کا انتظار اس کا پروردگار کرتا ہے۔ اب بچھڑے بیٹے کا انتظار ماں کتنا کرتی ہے؟ کھانا اچھا نہیں لگتا، پینا اچھا نہیں لگتا، نیند نہیں آتی، بیقرار ہوتی ہے کبھی نیند آجائے اور دروازہ کھٹکے تو آنکھ کھل جاتی ہے کہ شاید میرا بیٹا آگیا ہو۔ جب ماں اپنے بچھڑے بیٹے کا انتظار کرتی ہے تو پھر اپنے بگڑے بندے کا انتظار پروردگار کتنا کرتے ہوں گے؟ سنیے! حق تو یہ بنتا تھا جو اللہ کے در سے پیٹھ پھیر کے جاتا اللہ اس کی پیٹھ میں ایک لات لگوادیتے اور دروازہ بند کر کے کہتے او بد بخت! اس دروازے سے تو نے پیٹھ پھیری، دفع ہو جا! آج کے بعد یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتے، وہ فرماتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ﴾ (الانفطار:٦)

اے انسان! تجھے تیرے کریم رب سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا۔

تو رب سے کیوں روٹھا پھرتا ہے؟ رب کے در کو چھوڑ کر کیوں دھکے کھاتا پھرتا ہے؟ آج اپنے پروردگار کے در پر آجا میں تیرے کاموں کو سنوار دوں گا، میں تیری دنیا اور آخرت کو سنوار دوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آئندہ نیکوکاری پرہیزگاری کی زندگی نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾ (العنکبوت:۲)

جنت کی قیمت

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 22 مارچ 2006ء مطابق ۱۴۲۶ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

وقت: بعد نمازِ عشاء موقع: علماء اور طلباء سے خطاب

جنت کی قیمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ﴾ (العنکبوت:۲-۳)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم

انسانی زندگی کی حقیقت:

انسانی زندگی ہوا میں رکھے ہوئے چراغ کی مانند ہے، جیسے ہوا میں رکھا ہوا چراغ ایک پل کا محتاج ہوتا ہے، انسانی زندگی بھی ایک پل کی محتاج ہوتی ہے۔ یہ دنیا فنا کے داغ سے داغدار ہے۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام نبی علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لائے، اور عرض کیا: اے اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم!

((عِشْ مَا شِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ))

''جتنا چاہیں آپ زندگی گزاریں ایک دن مرنا ہے''

((وَ اَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ))(جامع الحدیث، رقم:۳۱۶)

''جس سے چاہیں محبت کریں، ایک دن جدا ہونا ہے۔''

اس لیے نبی علیہ السلام نے دنیا کے بارے میں فرمایا:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ السَّبِيلِ)) (ترمذی، رقم ۲۲۵۵)

''کہ تم دنیا میں زندگی گزارو جیسے کوئی مسافر ہوتا ہے یا راستہ چلنے والا مسافر ہوتا ہے''

دنیا امتحان گاہ ہے:

ہمارا وطنِ اصلی جنت ہے، یہ ہمارا وطنِ اقامت ہے، کچھ مدت کے لیے ہم یہاں آئے ہیں پھر ہم نے وطن واپس جانا ہے، اب یہ ہماری تھوڑی سی زندگی ہے، یہ ہماری امتحان گاہ ہے، فرمایا:

((اَلدُّنْيَا دَارُ الْمِحَنِ))

''یہ دنیا امتحان گاہ ہے''

یہ دنیا سیر گاہ نہیں، تماشا گاہ نہیں، قیام گاہ نہیں، آرام گاہ نہیں، یہ امتحان گاہ ہے۔ افسوس کہ ہم نے اسے چراگاہ بنا لیا۔ جیسے جانور چرتے پھرتے ہیں، ہم بھی چرتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ﴾ (البلد:۴)

''تحقیق کہ ہم نے انسان کو مشقت کے لیے پیدا کیا''

اس دنیا میں رہ کر یہ محنت کرے۔ جب امتحان ہوتا ہے تو وہ کام کا وقت ہوتا ہے، آرام کا وقت نہیں ہوتا۔ آپ نے کبھی دیکھا کہ جب تین گھنٹے کا پرچہ ہوتا ہے تو اس تین گھنٹے میں کوئی والی بال کا میچ کھیلنے لگے کہیں گے بھئی! نہیں، یہ کام کا وقت ہے۔ یا ان تین گھنٹوں میں آدمی سو جائے، آرام سے مزے سے کہیں گے، یہ کام کا وقت ہے۔ جب امتحان سے فارغ ہوں گے تو آرام کا وقت ہوگا اور جب نتیجہ آئے گا تو وہ

انعام کا وقت ہوگا۔

تو یہ دنیا کام کی جگہ، قبر آرام کی جگہ، جنت انعام کی جگہ ہے۔ انعام انہیں کو ملتا ہے جو امتحان میں اچھے نمبر لیں۔ فرق اتنا ہے کہ دنیا کا امتحان اگر زبانی ہو تو تین منٹ کا بھی ہوسکتا ہے کہ استاد نے دو سوال پوچھے اور کہے کہ جاؤ اور عملی امتحان تین گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اور یہ زندگی کا امتحان سو پچاس سال کی زندگی، یہ پورے کا پورا ہمارا امتحان ہے۔ ہمیں خوشی ملتی ہے تو یہ بھی امتحان کہ یہ میرا شکر ادا کرتا ہے کہ نہیں، ہمیں غم ملتا ہے تو یہ بھی امتحان کہ یہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ شکر کرنے والا بھی جنت میں جائے گا، صبر کرنے والا بھی، جنت میں جائے گا، ہر دن ہر وقت ہم آزمائش میں ہیں۔ جیسے رپورٹر ہوتے ہیں نا! حاکمِ اعلیٰ کے رپورٹر ہمارے ساتھ ہیں، وہ رپورٹر ہیں، وہ رپورٹ لکھ رہے ہیں، ہماری زندگی کی شیٹ رول تیار ہو رہی ہے تو یہ امتحان گاہ۔

نفس خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے:

اب انسان کا نفس چاہتا ہے کہ میری خواہشات پوری ہوں۔ اس کی فطرت بھی یہی ہے کہ چاہتا ہے کہ میری خواہشات پوری ہوں۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ہر بندہ دنیا میں اپنی جنت بنانے میں لگا ہوا ہے۔ ہر بندہ اسی فکر میں ہے کہ میرا گھر ایسا ہو، میری سواری ایسی ہو، بیوی میری ایسی ہو، بچے میرے ایسے ہوں، عزت میری ایسی ہو، کام کاروبار میرا ایسا ہو۔ وہ اپنی من پسند کی جگہ دوسرے لفظوں میں وہ جنت بنانے میں لگا ہوا ہے، دن رات لگا ہوا ہے۔

خواہشات پوری ہونے کی جگہ جنت ہے:

جبکہ اللہ رب العزت نے انسانوں کے لیے جنت کو آخرت میں بنایا۔ فرمایا:

میرے بندو! دنیا میں تم میری مرضی پر عمل کرلو! آخرت میں تمہاری مرضی چلے گی۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو جنت بنائی ہے اس کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴾ (حم السجدہ:۳۰)

''تمہارے لیے وہاں وہ چیزیں ہیں جو تم چاہو گے اور وہ چیزیں ہیں جو تم مانگو گے''

وہاں تمہیں وہ کچھ ملے گا جو تمہارا جی چاہے گا، تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی۔

﴿هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (الرحمٰن:۶۰)

''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں''

دنیا میں ہم نے اللہ کی چاہت پوری کر دی، اللہ نے جنت میں اپنے بندوں کی چاہت کو پورا کر دیا۔ جنت کے گھر کا ڈیزائن اس کی مرضی سے بدلے گا، جنت میں اس کی مرضی چلے گی۔ سبحان اللہ! کیا زندگی ہوگی! من پسند کا حسن ملے گا، کھانا ہوگا، پینا ہوگا، عیش ہوگا، آرام ہوگا۔ نہ وہاں تھکاوٹ ہوگی، نہ غم ہوگا۔

﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ أَنتُمْ تَحْزَنُونَ﴾ (الزخرف:۶۸)

''اس دن نہ تم پر کوئی خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہوگے''

ایک شاہی مل جائے گی یا سمجھنے کی خاطر یوں کہیے کہ بندے کو وہاں چھوٹی سی خدائی مل جائے گی، وہاں بندے کی ہر مرضی پوری ہوگی۔ واہ میرے مولیٰ کیسی زندگی ہوگی! انسان تصور نہیں کرسکتا۔ نیکوں کا ساتھ ہوگا اور پھر مزے کی بات کہ یہ نعمتیں ہمیشہ کے لیے ہوں گی۔

﴿وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

''تم ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو گے''

یہ نعمتیں دے کر اللہ نے فرمادیا کہ اب تمہیں یہاں سے کوئی نکالے گا نہیں۔

آخری جنتی:

جو سب سے چھوٹی جنت ہوگی، جس بندے کو ملے گی وہ اس دنیا سے بھی دس گنا بڑی ہوگی اور جو آخری بندہ جنت میں جائے گا، اس کی بھی تفصیل حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرے عمل اتنے تو نہیں کہ تو جنت میں جائے، چلو تمہیں جہنم کے کنارے کھڑا کر دیتے ہیں۔ تو جہنم کے کنارے اس کو کھڑا کریں گے، اس کو جہنم کا دھواں پہنچے گا، لپٹیں پہنچیں گی اور جہنم کے گونجنے کی آواز آئے گی، کہے گا: یا اللہ! یا اللہ! پکارے گا۔ اللہ فرشتے کو بھیج کر پچھوائیں گے کیا چاہتا ہے؟ یا اللہ! بس میرا رخ ادھر سے پھیر دے۔

((وَلَا أَسْمَعُ حَسِيْسَهَا وَلَا أَرٰى هَا))

''نہ میں چیخیں سنوں اور نہ میں دوزخیوں کو جلتا دیکھوں''

بس میرا رخ پھر جائے۔ تو رخ پھیر دیں گے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد یا اللہ! یا اللہ! پکارے گا۔ پھر اللہ فرشتے کو بھیجیں گے کہ جا کر پوچھو کہ کیا چاہتا ہے؟ کہے گا: یا اللہ! جہنم کے بہت قریب ہوں، جہنم سے تھوڑا سا مجھے آگے کر دیا جائے، تو فرشتہ اس کو اتنا آگے کر دے گا کہ جہاں وہ دور سے جنت کو دیکھے گا اور اس کی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آئے گا۔ اب جب ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آئے گا تو بس ارادہ بدل جائے گا، یا اللہ! یا اللہ! کیا چاہتے ہو میرے بندے! بس اللہ اتنا چاہتا ہوں کہ دروازے کے قریب کر دیا جائے۔ فرشتہ آئے گا اس کو دروازے کے قریب کر دے گا۔ اب جیسے ائرکنڈیشنر کمرہ ہو کہ دروازے کے قریب جاؤ تو ٹھنڈ ملتی ہے، ٹھنڈک لگتی ہے، اس کو بھی جنت کی خوشبودار ہوائیں آئیں گی اور ٹھنڈی ہوائیں لگیں گی۔ اب دل للچائے گا کہ اندر ہوتا

تو کیا مزے ہوتے! پھر کہے گا کہ یا اللہ! یا اللہ! لیکن مانگے گا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں جانتا ہوں میرے بندے! تیرے اندر کیا ہے؟ اچھا اللہ! آپ جانتے ہیں تو بھر دے دیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتے کو فرمائیں گے کہ اس کو جنت میں داخل کر دو۔ یہ آخری جنتی ہوگا جو سب سے آخر میں جائے گا۔ وہاں اس کو جو جنت ملے گی اور جنت کو دیکھ کے حیران رہ جائے گا۔ دنیا سے دس گنا بڑی جنت۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تجھے دے دی، تو یہ سمجھے گا کہ میرے ساتھ مذاق ہو رہا ہے کہے گا: اے اللہ! آپ زمین و آسمان کے مالک ہیں اور مجھ بندے کے ساتھ مذاق کہ دس گنا بڑی جنت؟ فرمایا نہیں تمہیں دس گنا بڑی جنت ہم نے عطا کر دی، یہ جنت میں جانے والا آخری جنتی ہوگا۔ تو جو جنتی پہلے جائیں گے ان کا کیا حال ہوگا؟

سب سے بڑی نعمت:

تو بھئی جنت میں جو سب سے بڑی نعمت ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ ﴿ وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴾۔ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا جمال دکھائیں گے۔ وہ کیسا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا دیدار بے جہت، بے کیف، بے شبہ، بے مثال ہوگا۔ اللہ جانے وہ کیا ہوگا؟ بس جنتی دیدار کریں گے تو مزہ آئے گا، سوچنے کی بات ہے کہ جس ذات نے حسن و جمال کو پیدا کر دیا، اس کے اپنے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا، بڑی تفصیل ہے کہ وہ کیا ہوگا؟

دیدارِ الٰہی کی لذت:

جب جنتی جنت میں جائیں گے اور جنتی مخلوق کو دیکھیں گے تو وہ اتنی خوبصورت ہوگی کہ یہ ستر سال تک ٹکٹکی باندھ کے دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔ ان کو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلے گا، ستر سال دیکھتے رہ جائیں گے۔ آنکھیں کھلی ہیں دیکھ رہے ہیں،

وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں۔ جنت کی مخلوق اتنی خوبصورت ہے! لیکن جب جنتی جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، تو اس وقت نور کی بارش ہوگی تو جیسے آندھی آتی ہے تو بندے کے پورے چہرے پر مٹی کی تہہ آجاتی ہے، دور سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ آندھی سے آیا ہے، جب نور کی آندھی آئے گی تو وہ نور تمام جنتیوں کے چہروں پر سج جائے گا اور اس کی وجہ سے جنتیوں کا حسن اتنا بڑھ جائے گا کہ جنتی لوٹ کر جب اپنے گھروں میں آئیں گے تو جنتی مخلوق ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر اتنی حیران ہوگی کہ ستر سال تک وہ دیکھتے ہی رہ جائیں گے، ان کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوگا۔

مالکہ کا حسن نہ بیان کرنے میں حکمت:

عام لوگ وہاں کی حور و غلمان کی خوبصورتی کا سن کر بڑے حیران ہوتے ہیں۔ بھئی نوکر نوکر ہوتے ہیں، مالک مالک ہوتے ہیں، اگر خادموں کے حسن کا یہ عالم ہے تو سوچو کہ مالکوں کے حسن کا کیا عالم ہوگا؟ بس اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ حیا کو پسند فرماتے ہیں۔

((اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ)) (مسند احمد، :۹۳۳۳)

تو حیا کا تقاضا یہ تھا کہ جنتی عورتوں کی خوبصورتی کو واضح نہ کیا جاتا۔ اس لیے آپ قرآن مجید میں پڑھ کر دیکھیں تو حوروں کے حسن کو واضح کیا گیا ہے، موٹی آنکھوں والی ہوں گی، ایسی ہوں گی، ایسی ہوں گی لیکن مومنہ عورتوں کے بارے میں اتنا کہا گیا کہ وہ اپنے خاوندوں سے محبت کرنے والیاں ہوں گی، بہت اچھی ہوں گی۔ موٹی سی باتیں کر دیں، ان کے حسن کو کھولا نہیں گیا۔ کیوں؟ مرد کو غیرت آتی ہے کہ میری بیوی کا تذکرہ کوئی اور کیوں کرے؟ اللہ تعالیٰ نے چونکہ حیا کو غیرت کو پسند کیا، اس لیے مومنہ عورت کے حسن کو نہیں کھولا، حوروں کے حسن کو کھول دیا۔ مقصد کیا تھا کہ تم انداز

لگالو کہ جب خادمہ وہاں کی ایسی ہوں گی تو مالکہ وہاں کی کیسی ہوگی؟ الغرض کہ جنت میں کیا کیا نعمتیں اللہ تعالیٰ بندے کو دیں گے۔

اڑھائی منٹ کی زندگی:

اب بتاؤ بھئی! کہ اتنی بڑی نعمتیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے، اس تھوڑی سی زندگی کی محنت پر۔ آخرت کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے ﴿خمسین الف سنة﴾ اور اگر یہاں پر سو سال کسی کی عمر ہو تو آخرت کے حساب سے وہ اڑھائی منٹ بنتی ہے۔ اب بتاؤ! اگر اڑھائی منٹ کی کوئی مشکل ہو اور اس پر ہمیشہ ہمیشہ کا انعام ملے تو لوگ تو اڑھائی منٹ کے لیے مجھے لگتا ہے آگ پر بھی چلنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ کہیں گے جی وعدہ کرو کہ تم ہمیں یہ دو گے تو تم کو اڑھائی منٹ آگ پر چل کر دکھا دیتے ہیں اور دل میں کہیں گے کہ ہاں یہ اڑھائی منٹ ہی ہیں نا! مشکل اٹھا لیں گے، برداشت کر لیں گے۔ تو جس طرح بندہ تھوڑی دیر کی مشقت کو برداشت کر کے بڑے انعام کا حق دار بننے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کو بھی چاہیے کہ دنیا کی تھوڑی دیر کی مشقتوں کو برداشت کر لے اور آخرت کے بڑے انعام کا حق دار بن جائے۔ اس لیے ہمارے بزرگوں نے کہا ؎

نور میں ہو یا نار میں رہنا
ہر جگہ ذکرِ یار میں رہنا
چند جھونکے خزاں کے بس سہہ لو
پھر ہمیشہ بہار میں رہنا

بس یہ دنیا کی تھوڑی سی زندگی یہ جھونکے خزاں کے سہہ لیں پھر ہمیشہ بہار میں رہنا۔ اس لیے مومن کی جب موت آتی ہے تو اس کے لیے آخرت کی نعمتوں کے

دروازے کھل جاتے ہیں۔

دنیا کی مشقت میں آخرت کی راحت:

اس چیز کو انبیائے کرام نے سمجھا اور وہ یہ علم لے کر دنیا میں آئے اور جن حضرات نے ان کی صحبت پائی تو انہوں نے بھی اس یقین کو حاصل کر لیا پھر انہوں نے بھی ایسی زندگی گزاری بس دنیا کی قربانیاں دنیا کی تکلیفیں یہ تو کوئی بات ہی نہیں یہ تکلیفیں اٹھاؤ اور اللہ کے ہاں کامیاب ہو جاؤ۔

آج اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس نکتے کو کیسے سمجھا تھا، وہ کہتے تھے کہ بس دنیا کی زندگی گزر گئی، اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے، ہم کامیاب ہو گئے۔ اب اس دنیا میں تکلیفیں بھی آئیں گی، مشقتیں بھی آئیں گی، امتحان بھی ہوں گے، یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ لیکن جب ہم ان کو برداشت کریں گے، تو اللہ کے ہاں انعام کے حق دار بھی بن جائیں گے۔

عقلمند انسان:

تو عقل مند بندہ وہی ہے جو حقیقت کو سمجھے! کہ دنیا کی تھوڑی دیر کی یہ مشقتیں اڑھائی منٹ کی مشقتیں اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کی لذتیں جبکہ دوسری طرف دیکھیں! کہ جو لوگ عیش و آرام اور عیاشی کی زندگی گزارتے ہیں، خلاف شریعت کام کرتے ہیں، تو وہ تھوڑی دیر کی لذتوں کے پیچھے اپنی آخرت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برباد کر دیتے ہیں۔ ان کو کون عقل مند کہے گا، وہ تو بے وقوف لوگ ہیں۔ آج کسی چھوٹے بچے کو کہیں نا! کہ تمہیں بسکٹ کھلاتے ہیں اور پھر دو تھپڑ لگائیں گے، تو چھوٹا بچہ بھی یہ سودا کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔ وہ کہے گا کہ بسکٹ کے پیچھے دو تھپڑ توبہ توبہ میں تو نہیں کھاؤں گا۔ آج

ہم اس بچے سے بھی گئے گزرے کہ دنیا کے بسکٹ کے پیچھے آخرت کے ہمیشہ ہمیشہ کے تھپڑ کے حق دار بن جاتے ہیں۔ ع

لمحوں نے خطائیں کی صدیوں نے سزا پائی

آج ہم اپنی چند لمحوں کی لذت کی خاطر ہم اپنے خدا کو ناراض کر دیتے ہیں، اتنا نقصان کر لیتے ہیں فقط چند لمحوں کی لذت کی خاطر۔ اللہ اکبر۔ تو سوچنے کی بات ہے اس لیے اس دنیا میں اپنے نفس کو قابو کیجیے، اپنی خواہشات کو لگام دیجیے۔ اپنے آپ کو شریعت کی لگام پہنا دیجیے اور دیکھیے کہ اللہ رب العزت کے لیے جب ہم اپنی زندگی گزاریں گے تو مرتے ہی ہماری نئی زندگی کا آغاز ہو جائے گا ۔

موت کو سمجھے ہیں ناداں اختتام زندگی ہے
ہے یہ شام زندگی صبحِ دوام زندگی

یہ نئی زندگی کی صبح ہے۔

لذاتِ دنیا سے اکابر کا خوف:

اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ دنیا کی مشقتوں کو بہت خوشی خوشی برداشت کر لیتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان مشقتوں کے بدلے آخرت میں اجر ملے گا۔ اگر ان کو دنیا میں آسانیاں ملتیں، تو وہ گھبراتے تھے کہ ایسا تو نہیں کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں دنیا میں دے دیا گیا ہو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب پینے کے لیے شربت دیا جاتا تو روتے، کئی دفعہ آنسو شربت کے اندر گرتے تھے۔ آنسو ملا شربت پیتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ امیر المومنین کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری نیکیوں کا بدلہ مجھے دنیا میں نہ دیا جا رہا ہو اور قیامت کے دن یہ نہ کہہ دیا جائے۔

یا عُمَرُ:

﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِیْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ (الاحقاف:۲۰)

وہ اتنا ڈرتے تھے اس لیے ان کا فقر اختیاری تھا۔

یعنی ایک مجلس میں صحابہ نے مشورہ کیا کہ عمر کا مشاعرہ بڑھانا چاہیے، وہ بہت تھوڑا لیتے ہیں۔ بیت المال سے زیادہ لینا چاہیے مگر ڈر تھا کہ ان کو بتائے کون کہ آپ کی تنخواہ بڑھا دی گئی۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ ان کی جو بیٹی ہیں حفصہ رضی اللہ عنہا جو ام المومنین بھی ہیں، ان سے کہیں۔ چنانچہ ان سے کہا گیا کہ ام المومنین آپ یہ پیغام پہنچا دیجیے۔ انہوں نے کہا کہ ابو جان آپ بیت المال میں سے بہت تھوڑا لیتے ہیں، اس سے زیادہ کر لیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو خفا ہوئے، فرمایا: کون ہے جس نے یہ مشورہ دیا؟ فرمایا: نام تو نہیں بتاتی۔ فرمایا: نام بتاتی تو میں اتنی سزا دیتا ان کی شکلیں بدل ڈالتا۔

پھر فرمایا کہ حفصہ تم بتاؤ! نبی علیہ السلام نے زندگی ہمارے سامنے گزاری تم نے ان کی زندگی کو کیسے پایا؟ فرمایا: ایک چٹائی ہوتی تھی اور سر کے نیچے کھجور کی چھال کا ایک تکیہ ہوتا تھا۔ ایک کمبل ہوتا تھا، گرمیوں میں دوہرا بچھا لیتے تھے اور سردیوں میں نیچے اوپر بچھا لیتے تھے۔ کپڑے کیسے ہوتے تھے؟ پھٹے کپڑے ہوتے تھے۔ ایک گیرو رنگ کا کپڑا تھا، جب کوئی وفد آتا تھا نبی علیہ السلام اس دن وہ کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ کھانا کیسا ہوتا تھا؟ کبھی ملتا تھا کبھی نہیں ملتا تھا۔ فرمایا: ایک دن میں نے روٹی بنائی تو گھی کے ڈبے کی تل چھٹ جو آخر میں بچ جاتی ہے، وہ میں نے اوپر لگا دی۔ تو بس نبی علیہ السلام خوش ہو کر کھا رہے تھے اوروں کو بھی کھلا رہے تھے۔ یہ محبوب کا کھانا تھا، یہ رہنا تھا، یہ سہنا تھا۔ اس لیے کہ یہ پتہ تھا کہ یہ ظاہر میں تھوڑی دیر کی مشقتیں ہیں، پھر اس کے بعد

ہمیشہ کی شاہی ہے۔

اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں:

تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بات کو سمجھ لیا تھا۔ اس لیے ان کے لیے دنیا کی مشقتیں مشقتیں نہیں تھیں۔ انبیائے کرام کا یہ قافلہ دنیا کی لذتوں کے لیے نہیں رہتا تھا، دنیا میں اپنے رب کو منانے کی خاطر زندگی گزارتا تھا۔ چنانچہ انہیں دین کی خاطر قربانیاں دینی پڑیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا﴾

''کیا انسان یہ گمان کرتے ہیں کہ انہیں چھوڑ دیا جائے گا ترک کر دیا جائے گا''

﴿اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾ (العنکبوت:۲)

''کہ انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا''

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾

''ہم نے تحقیق ان سے پہلے والوں کو بھی آزمایا''

﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (العنکبوت:۳)

''اور اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور سچوں کو اور جھوٹوں کو الگ الگ کر کے جان لے گا''

کہ سچے کون ہیں؟ اور جھوٹا کون ہے؟ ہم آزمائے جائیں گے، روز آزمائے جارہے ہیں۔ جب ہم نے گناہ کیا تو ثابت کر دیا کہ اللہ ہم اپنی بات میں جھوٹے ہیں اور نیکی کی تو ہم نے ثابت کر دیا کہ اللہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔ اور سچے جھوٹے کا پتہ چل جائے گا، روز پتہ چل جائے گا۔ آخر میں نتیجہ نکال لیا جائے گا کہ واقعی اس کی

نیکیاں زیادہ، یہ سچا تھا۔ اس کے گناہ زیادہ، یہ جھوٹا تھا مگر یہ زندگی کی ترتیب ایسی ہے۔

انبیا پر آزمائشیں:

چنانچہ نبی علیہ السلام ایک مرتبہ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جب آپ اٹھے تو چٹائی کے نشان آپ کے جسم مبارک پر تھے اور جسم پر کرتا بھی نہیں تھا۔ صحابی نے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بدبخت قیصر و قصریٰ دنیا کے عیش آرام میں رہیں اور آپ اللہ کے محبوب ہو کر چٹائیوں پر لیٹیں! نشان نظر آ رہے ہیں۔ تو نبی علیہ السلام اٹھ کر بیٹھ گئے، فرمانے لگے کہ مجھ سے پہلے بھی انبیا آئے، انہیں شہید کر دیا گیا اور ایسے بھی تھے جن پر آرا چلا کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ اب بتائیں کہ زندہ جسم کے اوپر آرا چلا کے دو ٹکڑے کیا جائے تو کیا ہوتا ہے؟ اور ایسے بھی تھے کہ لوہے کی کنگھیوں کے ذریعے سے ان کے جسم سے کھال اتاری گئی، ان کے جسم کی بوٹیاں نوچ لی گئی اور انہوں نے سب کچھ برداشت کیا۔ آپ کہیں گے کہ انبیا کیوں؟ اور قریب سے دیکھ لیں، جن کو ایمان کی لذت مل جاتی ہے نا اور یہ یقین ہو جاتا ہے کہ بس ہماری لذتیں آخرت میں ہیں، یہ امتحان ہے، وہ پھر ان چیزوں کو مشکل نہیں سمجھا کرتے۔

ساحرانِ فرعون کی آزمائش میں استقامت:

دیکھیے! جادوگروں کو فرعون نے کہا: اچھا تم ان کے ساتھ مل گئے ہو، میں تمہاری مخالف سمت کی ٹانگ کو اور بازو کو کاٹوں گا۔ یعنی ایک سائیڈ کی ٹانگ اور بازو کو کاٹیں۔ تو بندہ دوسری سائیڈ اور بازو کے ساتھ کچھ نہ کچھ حرکت بھی کر سکتا ہے۔ کہیں

کھڑا بھی ہوسکتا ہے، کچھ کھا پی بھی سکتا ہے، اس بد بخت نے کہا: نہیں، میں ادھر کا بازوں کاٹوں گا اور ادھر کی ٹانگ کاٹوں گا۔ تو توازن رہ ہی نہیں سکتا۔ لاش بن جائے گی۔ انہوں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: میں پھانسی پر لٹکا دوں گا۔ فرمایا:

﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ (طٰہٰ:۷۲)

''کر لے جو تو کرنا چاہتا ہے''

ہم پیچھے نہیں ہٹ سکتے، ہمیں ایمان کی لذت نصیب ہوگئی، ہمیں دنیا کی حقیقت سمجھ میں آگئی۔ چنانچہ اس نے ایسے ہی کیا، ان کے بازو کاٹ دیے ٹانگیں کاٹ دیں، تو اتنی بھی قربانیاں دی ہیں ایمان والوں نے۔

سستا سودا:

تو سچی بات تو یہ ہے کہ کھالیں کھچوانی پڑ جائیں، بوٹیاں نچوانی پڑ جائیں اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی رضا دے دے تو بھی ہم نے سستا سودا کر لیا۔ عزیز طلبا! بات سمجھ رہے ہیں کہ اگر کھالیں کھنچوا کے اور بوٹیاں نچوا کے بھی ہم جنت میں چلے گئے تو ہم نے سستا سودا کر لیا۔ یہ بات ذرا ذہن میں محفوظ کر لیجیے! کہ اگر کھالیں کھنچوا کے اور بوٹیاں نُچوا کے بھی ہم جنت میں پہنچ گئے تو ہم نے اپنے اللہ سے سستا سودا کر لیا۔ اس بات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا تھا، اس لیے دنیا میں انہوں نے مشقتوں کو برداشت کیا، اللہ کی عظمت کو سمجھتے تھے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

سب سے زیادہ مشقتیں انبیا پر آئیں:

آپ سوچیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کتنی مشقتیں اٹھا رہے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سب انبیا سے زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام

سے پوچھا گیا:

((اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ الْبَلَاءِ))

''انسانوں میں سے سب سے زیادہ مصیبتیں کن پر آئیں۔''

فرمایا:

((اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ))(سنن ترمذی، رقم:۲۳۲۲)

''انبیا پر آئیں پھر جن کی زندگی ان کے مشابہ تھی ان کو آئیں، پھر جو ان کے مشابہ ہوئی ان کو آئیں''

تو جتنا کسی کو نبی علیہ السلام کی زندگی سے مشابہت ہو اتنی تکالیف زیادہ آسکتی ہیں۔ ہمیں اللہ سے تکلیفیں مانگنی نہیں چاہئیں لیکن اگر آجائیں تو شکوے کرنے کی بجائے اس پر صبر کریں۔ آج کل ذراسی بات پر، خواہش پوری نہ ہو تو اللہ سے ناراض پھرتے ہیں۔ مجھے ایک بندہ ملا نقلِ کفر کفر نہ باشد، کہنے لگا کہ جی میں نے تو فلاں چیز کے بڑی دعائیں مانگیں، دعائیں قبول نہ ہوئیں ہم نے بھی نمازیں پڑھنی چھوڑ دی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے بھی ناز نخرے چل رہے ہیں۔ اللہ کی عظمت کو انہوں نے سمجھا ہی نہیں ہے۔

نبی علیہ السلام پر مصائب کی انتہا:

نبی علیہ السلام کو کیا کیا مشقتیں اٹھانی پڑیں؟۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے اور کافروں نے اونٹ کی اوجھڑی، گندگی بھی ہے، نجاست بھی ہے، بو بھی ہے، بوجھ بھی ہے، اوپر لا کر رکھ دیا۔ اور اتنا بوجھ کہ نبی علیہ السلام اٹھ نہیں سکتے، سجدے میں ہی پڑے ہوئے ہیں، نہ جانے کتنا وقت گزرا ہوگا، سوچیں ایسی بھی تکلیفیں پہنچائی گئی۔

سات ہجری میں مسلمانوں کا بائیکاٹ کر دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام شعب ابی طالب کے اندر چلے گئے۔ یہ ایک گھاٹی تھی، وہاں سے اگر مسلمان باہر نکلتے کوئی چیز لینے کے لیے تو ان کی پٹائی ہوتی۔ دو سال یہاں رہے، کھانا نہیں ملتا تھا، پانی نہیں ملتا تھا، بچے روتے تھے۔ سب مشقتیں اٹھائیں تو دو سال تھوڑے تو نہیں ہوتے۔

نبی علیہ السلام نے سوچا کہ یہاں کے لوگوں نے تو میری بات کو قبول نہ کیا، یہ ددھیال کے لوگ تھے، والد کی سائیڈ کے لوگ تھے، چچا اور دوسرے لوگ۔ چلو میں ننھیال کی سائیڈ میں جا کر ذرا پیغام دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ طائف تشریف لے گئے، یہ جو طائف کا علاقہ ہے، بنو سعد کے رشتے دار تھے، یہ نبی علیہ السلام کے ماموں کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ تو خیال تھا کہ شاید وہ اماں کی رشتے کی لاج رکھیں گے۔ وہاں جا کر ان کو پیغام دیا، انہوں نے بدسلوکی کی انتہا کر دی۔ اب بتائیں کہ سارے دن کی بھوک ہے پیاس ہے، تھکن ہے، اور انہوں نے کہہ دیا کہ آپ اس شہر میں ٹھہر ہی نہیں سکتے اور لڑکوں کو پیچھے لگا دیا۔ لڑکے پتھر مار رہے ہیں، مذاق اڑا رہے ہیں، انسان کے اوپر کتنی عجیب کیفیت ہوتی ہے؟ حتی کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے اور اس حال میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی بستی سے باہر نکلے۔ تو نہ ددھیال والوں نے ساتھ دیا نہ ننھیال والوں نے ساتھ دیا تو دل کیا کہہ رہا ہوگا؟ کہ میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سوا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عاجزانہ دعا:

نبی علیہ السلام تھکے ہوئے ہیں، کھجوروں کا ایک باغ تھا تو نبی علیہ السلام اس باغ کے باہر اکیلے تنِ تنہا بیٹھ گئے اور اس موقع پر نبی علیہ السلام نے پھر ایک دعا مانگی ہے، وہ دعا تو سونے کی سیاہی سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس دعا کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ واقعی لسانِ نبوت سے ہی یہ دعا نکل سکتی ہے، کسی اور کی پرواز ایسی نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک نبی علیہ السلام کی شان

ہے کہ ان کی زبان سے ایسی دعا نکلی، اتنی عاجزی کے ساتھ۔ کوئی اور ہوتا تو احسان جتلاتا: اللہ میں نے یہ بھی کیا، یہ بھی کیا اور تو نے مجھے کھانا بھی نہ دیا، پینا بھی نہ دیا اور یہ میرا حال ہو گیا۔ نہیں، اللہ رب العزت کی عظمت کو جانتے تھے، لہٰذا وہاں بیٹھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، دعا کے الفاظ ذرا پڑھا کریں اور لطف لیا کریں، کتنی عاجزی بندے کی نظر آتی ہے اور کتنی اللہ تعالیٰ کی عظمت سمجھ میں آتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ)) (کنز العمال، رقم: ۳۶۱۳)

"اے اللہ! میں آپ کے ہی سامنے شکوہ کرتا ہوں اپنی کمزوری کا، اپنی بے کسی کا اور لوگوں میں اپنی بے بسی کا"

کیا چن چن کے الفاظ استعمال کیے، الفاظ کا انتخاب بتا رہا ہے، الفاظ کا چناؤ بتا رہا ہے کہ یہ واقعی یہ افصح العرب کی زبان سے نکلی ہوئی بات ہے۔ پھر فرمایا:

((يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ))

(مجلۃ المنار، جزء: ۳۲ صفحہ: ۵۲۳)

"اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے، آپ کمزوروں کے پروردگار ہیں اور میرے بھی تو آپ ہی پروردگار ہیں"

کیسے اللہ کی رحمت کو کھینچا جا رہا ہے؟ کیسے اللہ کی عظمت بیان کی جا رہی ہے؟ تاکہ اللہ کی رحمت کے دروازے کھلیں اور رحمت کی بارش چھم چھم برسے، پھر فرماتے ہیں:

((اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ))

''اللہ! آپ مجھے کس کے حوالے کرتے ہیں، اے اللہ! آپ مجھے اجنبی کے سپرد کرتے ہیں جو میرے ساتھ ترش رو ہوتا ہے یا مجھے دشمن کے حوالے کرتے ہیں، آپ نے اس کو میرا والی بنا دیا اور میرے اوپر اختیار دے دیا''

((فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِي وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ)) (مجلۃ المنار، جزء:۲، ۳۲ صفحہ ۵۲۳)

''اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں، اللہ! مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن اے اللہ! تیری حفاظت تو میرے لیے کافی ہے''

دیکھا اتنی مشقتیں اٹھا رہے ہیں، اتنی تکلیفیں اٹھا رہے ہیں اور پھر یہ کہہ رہے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں:

((أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ ظُلُمَاتٌ أَوْ صَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)) (مجلۃ المنار، جزء:۲، ۳۲ صفحہ ۵۲۳)

''اے اللہ! میں تیرے اس چہرے کے نور کے طفیل جس سے کہ ظلمتیں روشن ہوگئی۔ اور جس سے دنیا اور آخرت کے سب امور صحیح ہو گئے۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں''

کیا عجیب بات کہی!

اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ

((أَنْ يَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ أَوْ يَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ))

(مجلۃ المنار، جزء:۲، ۳۲ صفحہ ۵۲۳)

''کہ آپ کا غصہ میرے اوپر نازل ہو یا اے اللہ! آپ مجھ سے ناراض ہوں''

((لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى))

''جب تک آپ راضی نہ ہو جائیں، آپ کو راضی کرنا ضروری ہے۔''

((وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ))

اللہ! نہ کوئی طاقت ہے، نہ کوئی قوت ہے تیرے سوا۔

کتنی عاجزی والی دعا مانگی ہے! اس لیے کہ وہ اللہ رب العزت کی عظمتوں کو جانتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ دنیا کی یہ چھوٹی سی قربانیاں اور مشقتیں یہ سب آسان ہیں ان نعمتوں کے مقابلے میں جو اللہ ایمان والوں کو جنت میں عطا فرمائیں گے۔ تو قیمت تو دینی پڑتی ہے ہر چیز کی۔ ہمیں جو دنیا میں مشقیں اٹھانی پڑتی ہیں، مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، نفس کے خلاف مجاہدے برداشت کرنے پڑتے ہیں، یہ ہم آخرت کی قیمت چکا رہے ہوتے ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آزمایا گیا:

اس لیے جب صحابہ کو یہ بات سمجھ میں آگئی تو بس ان کے لیے سب مشکلیں آسان ہوگئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کیا قربانیاں دیں؟ اگر کبھی آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات پڑھیں کہ ان کے اوپر کیا مشقتیں آئیں؟ اللہ اکبر پہلی امتوں پر بھی آئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا﴾

''ہم کو تنگدستی پریشانی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اتنا ان کو جھنجھوڑا گیا''

﴿حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۲۱۴)

''حتیٰ کہ رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے وہ کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی''

اتنا تو آخری پوائنٹ تک ان کو آزمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حَتّٰی اِذَا سْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا﴾

''حتی کہ رسول بھی نا امید ہونے لگے اور ان کا یہ گمان ہونے لگا کہ شاید ہمارا مشن نہ چل سکے''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿جَآءَھُمْ نَصْرُنَا﴾ (یوسف۔۱۱۰)

''تب ہماری مدد آئی''

یعنی اللہ تعالیٰ اس پوائنٹ تک لے جاتے ہیں کہ جہاں بندے کو چاروں طرف پھر اندھیرا نظر آنے لگتا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے امتحان ہوتا ہے۔

اور صحابہ کا ایمان اس سے بھی زیادہ۔ کیسے امتحان آیا اللہ اکبر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِذْ ضَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾

''جب آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور دل حلق کی طرف آنے لگے''

﴿ھُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا﴾ (الاحزاب:۱۰،۱۱)

''یہ وقت تھا جب ایمان والوں کو آزمایا گیا اور ان کو اچھی طرح جھنجوڑا گیا''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر دین کی راہ میں مشقتیں:

یا اللہ! کیسا وقت ہوگا؟ صحابہ کا کیا حال ہوگا؟ اسی لیے جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کو بدر کے مقام پر لے کر پہنچے تو سامنے لوہے میں ڈوبی فوج ہے، تلواریں ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ ادھر پورے تین سو تیرہ کے پاس دو تلواریں باقیوں کے پاس کچھ نہیں۔ تو صحابہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم تو موت کے منہ میں دھکیل دیے گئے۔

﴿ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُوْنَ ﴾ (الانفال:٦)

''یوں لگتا تھا کہ وہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے ہیں''

اس وقت اللہ کے محبوب رات کو تہجد کے بعد اللہ سے دعا مانگ رہے ہیں۔ کیا دعا مانگی! اے اللہ! یہ تیرے بندوں کی جماعت ہے، اگر یہ جماعت آج ختم ہوگئی۔

((لَا تُعْبَدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الْاَرْضِ)) (المسند جامع، رقم:۹۳۲۹)

''تو قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا''

اتنی عاجزی سے دعا کی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، انہوں نے دعا سنی تو ان کا دل بھر آیا۔ انہوں کہا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا سر اٹھائیے! اللہ تعالیٰ ضرور اس دعا کو قبول فرمائیں گے، ایسی دعا مانگی کہ سننے والے کو ترس آ گیا۔

عزیز طلبا! انسان دین کی خاطر ایسا مجاہدہ کرے کہ خالق اور مخلوق دونوں کو بندے پر ترس آنے لگے، ایسی زندگی گزاریں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے واقعی ایسا کیا، چنانچہ انہوں نے دین کی خاطر بہت مشقتیں اٹھائیں۔ جب صلح حدیبیہ کے لیے نبی علیہ السلام تشریف فرما تھے تو سہیل جو تھے، وہ کافروں کی طرف سے آئے۔ سہیل سہل سے نکلا ہے یعنی آسانی سے۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا: کون آیا؟ کہا: سہیل، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ آسانی فرمائیں گے۔ ماشاء اللہ نام کا بھی اثر دیکھو! اب آسانی ہو جائے گی۔ تو شرائط طے ہوئیں، ان شرائط میں طے ہوا کہ جو کوئی آدمی کافروں میں سے مسلمان ہو جائے گا، اسے واپس کیا جائے گا اور جو مسلمانوں سے واپس کافروں کی طرف آئے گا، اسے واپس نہیں کیا جائے گا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس معاہدے کو قبول فرمالیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (الفتح:۱)

کیسی فتحِ مبین تھی؟ مگر صحابہ حیران ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح دب کر کیوں عمل کر لیا؟ ابھی یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ سہیل کا اپنا بیٹا جس کا نام ابو جندل تھا اور ان کو والد نے گھر کے اندر بیڑیاں لگائی ہوئی تھی اور تکلیفیں دیتا تھا، وہ ان بیڑیوں کو کہیں سے کاٹ کر اور اپنے آپ کو چھڑوا کر وہ بھی وہاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچ گیا۔ اب ابو جندل رضی اللہ عنہ یہاں پر سوچنے لگے: بس میں آقا کی خدمت میں آ گیا ہوں، اب آقا مجھے اپنے امان میں لے لیں گے۔ سہیل کہنے لگا کہ معاہدہ طے ہو چکا لہٰذا اس کو واپس کریں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ابھی دستخط تو نہیں ہوئے۔ اس نے کہا: میں تو دستخط نہیں کرونگا جب تک واپس نہیں کریں گے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: میری خاطر اسے میرے پاس رہنے دو۔ انہوں کہا: نہیں۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔ آپ ذرا تصور میں وہ منظر لائیں، ایک طرف مسلمانوں کی جماعت ہے ایک طرف کافر ہیں اور کافر کے سردار کا بیٹا جو گھر سے دوڑ کر آیا تھا اس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر واپس کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جب واپس کیا تو ابو جندل رضی اللہ عنہ کو اس کے باپ نے سب کے سامنے تھپڑ لگانے شروع کر دیے۔ ادھر ہی سزا دینی شروع کر دی۔ اب ابو جندل رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ نبی علیہ السلام کا دل کتنا مغموم ہو رہا ہو گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی؟ کہ یہ نوجوان جو دین کو اپنا چکا تھا، آج سب کے سامنے اس کی Insult (بے عزتی) بھی ہو رہی ہے اور اس کے والد نے یہیں سے اس کو سزا دینی شروع کر دی۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ روتے ہوئے جا رہے ہیں۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: ابو جندل! اللہ آسانی فرمائیں گے۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ کو پھر باپ نے واپس لا کر باندھا اور پھر ان کو سزائیں دیتا تھا۔

اچھا ادھر سے کیا ہوا! ایک اور نوجوان جس کا نام تھا ابو بصیر، وہ بھی اپنے مالک سے جان چھڑا کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں آ پہنچا۔ نبی علیہ السلام نے چونکہ معاہدہ کر لیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بصیر! میں نے تو وعدہ کر لیا میں تو تمہیں اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔ اور ان کو بھی پتہ چل گیا کہ اگر کافروں نے کوئی بندہ بھیج دیا تو جیسے ابو جندل کو واپس بھیج دیا گیا ہے، مجھے بھی نبی علیہ السلام واپس بھیج دیں گے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ابو بصیر! میں جنگ کی چنگاری بھڑکانے والا نہیں ہوں کہ تجھے رکھوں اور آگ لگا دوں۔ تو وہ پہچان گئے کہ اب نبی علیہ السلام کے پاس نہیں رہ سکتے۔ اب ابو بصیر کے بارے میں ذرا سوچیں کہ ان کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی؟ کہ سب چھوڑ چھڑا کے یہاں پہنچے اور جس آقا کے پاس آئے وہ بھی اپنے پاس نہیں رکھ رہے۔ ابو بصیر وہاں سے چلے اور سمندر کے کنارے آ گئے اور وہیں رہنے لگ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ابو جندل کو پتہ چلا وہ بھی گھر سے بھاگے اور وہاں آ گئے۔ چند دیوانے اور مل گئے اور سمندر کے کنارے ہی رہنے لگ گئے۔

ان دیوانوں نے مل کر سوچا کہ بھائی! اب ہمارے اوپر کسی کی کوئی شرط نہیں، کوئی اختیار نہیں۔ ہمیں تو گھر سے نکالا گیا ہے، ہم ان کافروں کا تو حساب کتاب کریں نا۔ ان کے تجارتی قافلے وہاں سے گزرتے تھے، انہوں نے ایک پر حملہ کیا دوسرے سے چیزیں چھینیں تو کافر پریشان ہو گئے۔ چنانچہ کافروں نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیامبر بھیجا، نمائندہ بھیجا، کہ جی آپ ان نوجوانوں کو اپنے پاس بلا لیں، چلو آپ کے پاس آ جائیں گے تو کسی قانون کے پابند تو ہونگے، انہوں نے تو ہمارا جینا حرام کر دیا۔ جب ان کی طرف سے پیغام آیا تو نبی علیہ السلام نے ایک خط لکھا اور ابو بصیر کی طرف بھیجا کہ ابو بصیر میرے پاس آ جا۔ کہتے ہیں کہ ابو بصیر سمندر کے

کنارے تھے، نہ بستر تھا، نہ مکان تھا، ٹھنڈی ہوائیں تھی اور ان کو بخار ہو گیا۔ جس بندے کو بخار ہوا ہو اس کو بغیر ہوا کے بھی ٹھنڈ لگ رہی ہوتی ہے۔ ٹھٹھر رہے تھے اور لیٹے ہوئے تھے، کوئی یار و مددگار نہیں تھا، نہ کوئی دوا دینے والا، نہ کوئی غذا دینے والا۔ عین اس حالت میں جب وہ لیٹے ہوئے تھے، نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک نمائندہ نبی علیہ السلام کا پیغام لایا۔ کہتے ہیں کہ ابو بصیر لیٹے ہوئے تھے، انہوں نے رقعے کو کھول کر پڑھا اور پڑھتے پڑھتے وہ رقعہ ان کے سینے پر گرا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (الاحزاب: ۲۳)

''مومنین میں سے کچھ مرد وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد پورا کر دیا''

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر مشقتیں:

کیسے لوگ تھے؟ زندگی کی حقیقت کو سمجھ لیا تھا، اس لیے اللہ کے لیے سب مشقتیں برداشت کرنا آسان ہو گئی تھیں۔ آپ خود سوچیں! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دین کی خاطر کتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں؟ گھر میں ہیں۔ ایک آدمی دوڑا ہوا آیا کہ اپنے صاحب کو تو دیکھو! وہ مسجد میں ہیں اور کفار ان سے کیا معاملہ کر رہے ہیں؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھاگے، مسجد میں دیکھا کہ کافر لوگ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو بہت تکلیف پہنچا رہے تھے۔ فرمایا:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ﴾ (المؤمن: ۲۸)

''کیا تم ان کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے''

بس کافروں نے یہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے اور انہیں مارنا شروع کر دیا۔ ان کو اتنا مارا، اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ عتبہ بن

ربیعہ کافروں کا ایک سردار تھا، موٹا تھا، کتابوں میں لکھا ہے: جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے سدھ پڑے ہوئے تھے وہ آپ کے پیٹ کے اوپر چڑھا اور چڑھ کے اوپر جمپ لگاتا اور جوتوں کے ساتھ پیٹ کے اوپر ان کو ٹھوکر لگاتا تھا۔ اب آپ سوچیے ایک بندہ بے سدھ لیٹا پڑا ہو، اس کے پیٹ پر کوئی چڑھ جائے اور پھر جمپ لگائے اور موٹی موٹی ایڑیوں والے جوتوں کے ساتھ پیٹ پر ضرب لگائے تو پھر اس کی کیا حالت ہوگی؟ اور جب تھک گیا تو اس بدبخت نے کیا کیا؟ جوتا اتارا اور جوتے کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر مارنا شروع کر دیا۔ چہرے پر اتنا مارا کہ چہرا سوج گیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہچانے نہیں جاتے تھے۔ ہر بندے کا خیال تھا کہ ان کی جان چلی گئی۔ جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب جان نکل گئی تو وہاں سے چلے گئے۔

جب وہ وہاں سے گئے تو بنوتمیم (ان کے قبیلہ) کے لوگ آ گئے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر یہ ہمارا بندہ مر گیا، اگرچہ ہم کافر ہیں مگر ہم اس کا بدلہ لیں گے۔ وہ ان کو اٹھا کر ان کے گھر لائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک دن پورا بے ہوش رہے، وہ کافر بھی رشتہ داری کی وجہ سے وہاں بیٹھے رہے۔ ایک دن کے بعد ہوش آیا۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ہوش میں آتے ہی پہلی بات انہوں نے پوچھی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کس حال میں ہیں؟ کافروں نے یہ سنا تو وہ تو سب وہاں سے چلے گئے کہ جن کی خاطر اتنی تکلیفیں اٹھائیں، آنکھ کھلی تو انہیں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ ان کی والدہ اُم خیر کو کہہ گئے کہ اُم خیر! ان کو کچھ کھلا پلا دینا، اتنا وقت گزرا کچھ نہیں کھایا پیا۔ تو اُم خیر دودھ لے کر آئیں کہ بیٹا زخموں سے تیرا سارا جسم چور ہے، کچھ پی لے انہوں کہا کہ امی میں اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں پیوں گا جب تک میں نبی علیہ السلام کا دیدار نہ کرلوں۔ انہوں نے کہا: مجھے کیا پتہ ان کا کیا معاملہ ہے؟ کہاں پر ہیں؟ فرمانے لگے کہ اچھا آپ امِ

جمیل کے پاس جائیں (جو عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھی) اور اسلام لا چکی تھی۔ چنانچہ ام خیر اگرچہ کافرہ تھی مگر ماں تھی، چنانچہ جا کے امِ جمیل سے پوچھا کہ امِ جمیل! مسلمانوں کے پیغمبر کہاں ہیں؟ میرا بیٹا تو دودھ بھی نہیں پی رہا، وہ سمجھی کہ یہ کافرہ ہے مجھ سے پوچھنے آ گئی ہے، پتہ نہیں کوئی راز ہی نہ کھل جائے؟ کہنے لگی کہ مجھے کیا پتہ کون کہاں ہے؟ اس نے کہا: پھر اچھا چلو میں تیرے ساتھ چلتی ہوں، تیرے بیٹے کا حال پوچھتی ہوں، تو ام جمیل بہانے سے امِ خیر کے ساتھ آ گئی اور آ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کی حالت کو دیکھ کر وہ بھی رونے لگ گئیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں اماں! میری فکر مت کرو یہ بتا دو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ انہوں کہا کہ وہ دار ارقم میں ہیں، خیریت سے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں پتہ تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا؟ اور نبی علیہ السلام کے ساتھ کیا ہوا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ نبی علیہ السلام خیریت سے ہیں، دارِ ارقم میں ہیں، کہا کہ امی جب تک مجھے لے کر نہیں جاؤ گی اور میں نبی علیہ السلام کو نہیں دیکھوں گا کچھ نہیں کھاؤں گا۔ رات کا وقت ہے، ماں کہنے لگی: بیٹا! کیسے لے کر جائیں چل کر جا نہیں سکتے۔ چنانچہ ایک طرف سے اُم جمیل نے سہارا دیا اور دوسری طرف اُم خیر نے سہارا دیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پاؤں گھسیٹتے گھسیٹتے دارِ ارقم میں پہنچے۔ دار ارقم کا دروازہ جیسے ہی کھلا نبی علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، چہرہ سوجا ہوا ہے، کافروں نے اتنا مارا تھا۔ تو نبی علیہ السلام آگے بڑھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ماتھے کو بوسا دیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ماتھے کو چوما تو صحابہ سب کے سب ان کے گرد اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے بھی ان کے چہرے کو چومنا شروع کر دیا۔

اتنی تکلیفیں اٹھائیں صحابہ نے مگر وہ سمجھتے تھے کہ کھالیں کھچوا کے اور بوٹیاں نچوا کے بھی اگر ہم جنت جا پہنچے تو پھر بھی ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سستا سودا کر لیا۔

حضرت خباب بن الارت کے ساتھ کیا ہوا؟ بی بی سمیہ کے ساتھ کیا ہوا؟ سیدنا بلال کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ ذرا ان واقعات کو پڑھتے جائیں اور ذرا سوچیں کہ ان حضرات نے دین کی خاطر کیا کیا قربانیاں دیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ ہمیں اس دنیا میں ہر مشقت کو اٹھانا ہے، اپنے رب کو بالآخر راضی کرنا ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر آزمائشیں:

اور یہی سلسلہ بعد میں علما کے ساتھ ہوا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امامِ دارالہجرہ ہیں اور ابوجعفر منصور نے ان کے چہرے پر سیاہی لگوائی اور ان کو بٹھا دیا سواری پر، بعض کتابوں میں ہے کہ گلے کے اندر جوتوں کا ہار بھی ڈال دیا۔ امامِ دارالہجرہ کو پھرایا جا رہا ہے۔ اور ان کا حال دیکھو! وہ کہتے ہیں: لوگو! جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچان لیا اور جس نے نہیں پہچانا وہ سن لے کہ میں مالک بن انس ہوں۔ دین کی خاطر ان کے ساتھ یہ ہو رہا تھا۔ اس سرزمین پر کہ جہاں وہ چلتے تھے تو پاؤں بھی لرزتے تھے، کہ کہیں محبوب کے قدموں کے نشان پر میرا پاؤں نہ آ جائے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر آزمائش:

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جیل سے جنازہ نکالا گیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا ہوا؟ مسئلہ خلقِ قرآن کے اوپر ان کو کوڑے لگائے گئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے زندگی کے مقصد کو سمجھ لیا۔ یہ دین کی حفاظت کرنے والے لوگ تھے، جانتے تھے کہ ہم دنیا میں آئے ہی آزمائش کے لیے ہیں، یہ آزمائش کا گھر ہے، ہر ایک کو آزمایا جائے گا۔ مگر ان تمام تکالیف میں انہوں نے کتاب وسنت کو سینے سے

لگائے رکھا، جمے رہے استقامت کے ساتھ۔ تکلیفیں تو اٹھائیں، مگر پیچھے نہیں ہٹے، یہ کون لوگ تھے؟

﴿اَلَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتَابِ﴾

ان کو "تمسك بالكتاب و سنة" حاصل تھا۔ انہوں کتاب کو تھام لیا تھا، سینے سے لگا لیا تھا، قربانیاں تھیں ان کی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی استقامت:

جوانوں کی باتیں کر رہے ہیں، بوڑھوں کا حال دیکھیں! سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ان کی والدہ سیدتنا اسماء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، بوڑھی ہو گئی ہیں، بینائی چلی گئی، جیسے بوڑھوں کی بینائی چلی جاتی ہے، موتیا آجاتا ہے۔ جب موتیا اتر آیا، اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت آیا، دروازے کے اوپر حجاج بن یوسف نے گھیرا کروا لیا، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی شہید ہو رہے ہیں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یقین آگیا کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد مجھے شہید کر دیا جائے گا۔ تو دل میں خیال آیا کہ میں گھر کے دروازے پر ہوں، میں اندر جا کر اپنی اماں سے آخری وقت میں دعا تو لے لوں۔ تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں آتے ہیں اور اپنی والدہ کو آکر بتاتے ہیں کہ امی! میں تھوڑی دیر کے بعد شہید ہو جاؤں گا۔ اب بتائیں کہ اگر آج کی کسی ماں کو بتایا جائے تو کیا حال ہوگا؟ مگر یہ وہ ماں تھی جس نے نبی علیہ السلام کا دیدار کیا تھا، جس نے آخرت کی حقیقت کو سمجھا تھا، وہ جانتی تھی کہ دنیا میں ہم ہیں ہی قربانی کے لیے۔ اس نے پوچھا کہ بیٹا کیا تو حق پہ ہے یا باطل پر۔ تو بیٹے نے کہا کہ اماں آپ جانتی ہیں کہ میں حق پہ کھڑا ہوں استقامت کے ساتھ۔ تو بیٹا اگر تم حق پر ہو تو

پھر ڈر کس بات کا؟ ماں جوان بیٹے کی ہمت بندھا رہی ہے۔ کس بات کا ڈر ہے؟ اماں مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ مجھے جب شہید کریں گے تو میری لاش کا مثلہ کر دیں گے یعنی میری شکل بگاڑ دیں گے۔ تو ماں کہتی ہے: بیٹا! جب بکری کو ذبح کر دیا جائے تو پھر اس کی کھال بھی اتار دی جائے تو بکری کو تکلیف نہیں ہوتی، جب تمہیں شہید کر دیا جائیگا تو جو تمہارے جسم کے ساتھ کیا جائے تمہیں کیا پروا؟ ماں ہمت بندھا رہی ہے بیٹے کی۔ بیٹا کہتا ہے کہ اچھا ماں! میں اب جا رہا ہوں، دعا کیجیے گا۔

ماں اس وقت بیٹے کے لیے تین باتیں کہتی ہے۔ کیا جوان بیٹا ہوگا! اپنے بیٹے کے بارے میں اسماء رضی اللہ عنہا یہ دعا کرتی ہیں، اللہ کے حضور تین باتیں کہیں: اے اللہ! تو جانتا ہے یہ میرا وہ بیٹا ہے جو سردیوں کی لمبی راتوں میں ساری ساری رات مصلے پر کھڑا ہو کے دعا مانگتا تھا۔ اے اللہ! یہ میرا وہ بیٹا ہے جو سردیوں کی لمبی رات مصلے پہ کھڑا ہو کر تیرے قرآن کی تلاوت میں رات گزار دیا کرتا تھا۔ اور دوسری بات کہی کہ میرا وہ بیٹا ہے جو گرمی کی لمبے دنوں میں تیری رضا کی خاطر روزے رکھتا تھا اور تیسری بات یہ کی اے اللہ! میرا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے والدین کی اتنی خدمت کی کہ ہمارے دلوں کو خوش کر دیا۔ اے مولا! اب تو بھی اس سے خوش ہو جا! ماں دعا دے رہی ہے، اے اللہ! اس نے ہمارا دل خوش کیا، آپ اس سے راضی ہو جایئے اور یہ بات کر کے اسماء رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے سے کہتی ہیں کہ بیٹا! میری آنکھوں میں بینائی نہیں ہے کہ میں تیرا چہرہ دیکھ سکوں، بیٹا! میں تیری شکل تو دیکھ نہیں سکتی، تھوڑا میرے قریب ہو جا تا کہ میں تمہارا بوسہ لے لوں اور تمہارے جسم کی خوشبو سونگھ لوں۔ یہ ماں سمجھتی تھی ان کا یقین بنا ہوا تھا ﴿ اَلَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتَابِ ﴾ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے واقعی تمسک بالکتاب حاصل کیا تھا۔ چمٹے رہے انہوں نے کتاب کو سینے سے لگائے رکھا۔

اکابر علمائے دیوبند پر آزمائشیں:

ہمارے اکابرین جو ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے، انہوں نے بھی بالآخر انہیں کے نقشِ قدم پر چل کر اس دنیا کو دکھا دیا۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب فرنگی کے قبضہ میں تھے، اسیرِ مالٹا بنے تو اس وقت فرنگی انہیں تکلیف دیتے۔ ایسا بھی ہوا! کہ ان کو گرم انگاروں کے اوپر لٹایا گیا۔ جب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو غسل دینے والے نے ان کی کمر پر نشان دیکھا۔ اس نے پوچھا اہل خانہ سے یہ کیسے نشان ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جی ہم سے بھی چھپائے، ہمارے سامنے بھی کچھ نہ کچھ کپڑا جسم پر رکھتے ضرور تھے۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ کیا ہے؟ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کلکتہ گئے ہوئے تھے، ان کو پتہ چلا اپنے شیخ کی وفات کا تو وہ وہاں سے سیدھا آئے اپنے شیخ کے جنازے میں شرکت کے لیے۔ کہنے لگے کہ جب ہم حضرت کے ساتھ مالٹا میں تھے تو فرنگی حضرت کو تکلیف دینے کے لیے انگاروں کے اوپر لٹا دیتے تھے تو زخم ہو جاتے تھے۔ اگلے دن ان زخموں پر اور تکلیف پہنچاتے تھے اور حضرت یہ تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔ فرنگی کہتا تھا کہ ایک مرتبہ کہہ دو کہ میں تیرا مخالف نہیں ہوں۔ وہ فرماتے تھے کہ نہیں کہہ سکتا۔ فرنگی نے کہا: ایک مرتبہ کہہ دو ہم وفاداروں میں تمہیں شمار کر دیں گے۔ فرمانے لگے: میں اللہ کے رجسٹر سے نام کٹوا کر تمہارے رجسٹر میں اپنا نام نہیں لکھوانا چاہتا۔ فرنگیوں نے کہا: تم جانتے ہو تمہارا کیا حشر کریں گے؟ فرمایا: کہ ہاں مجھے پتہ ہے۔ فرمایا: تم میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہو میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے انہوں نے ایمان کی لذت پائی تھی۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتَابِ﴾

کیسے لوگ تھے! اچانک پتہ چلا کہ فرنگی نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو پھانسی دینے کا پروگرام بنایا۔ بس یہ بات سنی اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت غم زدہ ہوئی، پوری رات نیند نہ آتی، کئی راتیں گزر گئیں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، یہ حضرات قریب تھے۔ انہوں نے مل کر کہا کہ حضرت! اگر کافر نے یہ پروگرام بنا بھی لیا تو یہ تو اتنی گھبرانے والی بات تو نہیں ہے کہ آپ کو رات کو بھی نیند نہیں آتی، آپ غم زدہ ہیں، اتنے پریشان ہیں اس بات پر۔ جب انہوں نے یہ بات کی تو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب جواب دیا۔ فرمانے لگے کہ حسین احمد! یہ مت سمجھو کہ میں موت کے خوف کی وجہ سے غم زدہ ہوں، حضرت! کس لیے غم زدہ ہیں؟ فرمانے لگے: میں غم زدہ اس وجہ سے ہوں کہ اللہ رب العزت بسا اوقات بندے سے جان بھی لے لیتے ہیں اور قبول بھی نہیں کیا کرتے، میں اس لیے غم زدہ ہوں کہ کہیں مجھ سے جان بھی لے لے اور قبول بھی نہ کرے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتَابِ﴾

اکابر کا راستہ:

عزیز طلبا! یہ ان اکابرین کا راستہ ہے۔ ہم کمزور ہیں، اللہ رب العزت سے عافیت مانگتے ہیں، سہولت مانگتے ہیں، لیکن کم از کم اتنا تو ہم اپنے اوپر مشقت اٹھائیں! کہ نفس کی خواہشات سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو نفس کی خواہشات سے بچالیا اور زندگی کا وقت گزار لیا تو بس یقین جان لو! کہ ہم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوپر تلوار چل رہی ہوتی تھی

اور وہ کہہ رہے ہوتے تھے:

((فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ)) (صحیح بخاری، رقم:۲۵۹۱)

''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا''

بشیر بچے ہیں، لڑکے ہیں، ماں باپ کے ساتھ ہجرت کی، اللہ کی شان مدینہ پہنچے تو ماں فوت ہو گئی۔ اب اکیلا والد ہے، چھوٹے بچے ہیں، اکیلے والد کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ جب نبی علیہ السلام جہاد کے لیے نکلے تو اس چھوٹے بچے کو چھوڑ کر نبی علیہ السلام کے ساتھ جہاد کے لیے چلے گئے۔ وہ چھوٹا سا بچہ ہے آٹھ دس سال کا ان کے والد بھی جہاد میں چلے گئے، بچے کو کیا پتہ کہ جہاد میں کیا ہوتا ہے؟ وہ تو سمجھا تھا کہ کہیں گئے ہوئے ہیں اور تھوڑی دیر بعد واپس آ جائیں گے۔ ان کے والد وہاں جہاد میں شہید ہو گئے۔ اب جب صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد سے واپس آئے تو بشیر ایک چٹان کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے اور آنے والے قافلے کا انتظار کرنے لگے کہ آنے والا قافلہ آ رہا ہے، میرے ابو آئیں گے، مجھے بوسہ دیں گے، مجھے سینے سے لگائیں گے، میرے والد میری ماں بھی ہیں۔ سارا قافلہ آ جاتا ہے، اللہ کے نبی آ جاتے ہیں مگر بشیر کو ان کے والد نظر نہیں آتے۔ چھوٹا سا بچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ''اَیْنَ اَبِیْ'' میرے ابو کہاں ہیں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((يَا بَشِيْرُ اَمَا تَرْضٰى اَنْ اَكُوْنَ اَبَاكَ وَ عَائِشَةُ اُمَّكَ))

(معرفة الصحابہ لابی نعیم، رقم ۵۰۳۳)

''کیا تو اس پہ راضی نہیں کہ میں تیرا باپ بن جاؤں اور عائشہ تیری ماں بن جائے''

خواہشات کی قربانی:

یہ لوگ تھے جنہوں نے دین کی خاطر ایسی قربانیاں دے دیں، انہوں نے جانیں قربان کر دیں کاش ہم اپنی خواہشات کو قربان کر دیں۔

﴿ اَلَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتَابِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ﴾ (الاعراف:۱۷۰)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم ایسے مسلمین کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتے جو قربانیاں دیتے ہیں، ہم آخرت میں ان کا اکرام بھی کریں گے۔ اللہ رب العزت آپ کا یہاں آنا قبول فرمائے۔ آپ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اپنے گھروں کو چھوڑ کے آئے ہیں، جو روکھی سوکھی ملتی ہے کھا لیتے ہیں۔ پھر چٹائیوں میں بیٹھتے ہیں پھر اللہ شکر ادا کرتے ہیں۔ ان کے ان مشقتوں کا بدلہ بندوں میں کوئی نہیں دے سکتا۔ قیامت کے دن اللہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن اپنے ان اکابرین کے قدموں میں کھڑا ہونا نصیب فرمائے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا جام عطا فرمائے۔ ڈر بس اس بات کا لگتا ہے کہ کہیں ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے یہ نعمت ہم سے چھن نہ جائے۔ بس اس بات کی دعا کرتے رہیے گا کہ مولیٰ جب آپ نے اس راستے پر لگا دیا، اللہ! اب ہم زندگی اس پر نبھانا چاہتے ہیں، موت تک ہم اسی میں لگے رہنا چاہتے ہیں۔ میرے مولیٰ ہمیں واپس نہ آنے دینا، اللہ ہمیں واپس نہ کرنا ۔

ساری دنیا مجھے کہتی تیرا سودائی ہے
اب میرا ہوش میں آنا تیری رسوائی ہے

اے اللہ! ساری دنیا کہتی ہے: دین پڑھنے والے ہیں، عالم بننے والے ہیں، کتابیں پڑھانے والے ہیں، اللہ اب ہمارا ہٹ کر دنیا کی طرف جانا یہ آپ کی رسوائی

ہے۔اے اللہ! پیچھے نہ ہٹنے دیجیے گا، اے اللہ! اب ہم اپنے آپ کو آپ کے حوالے کرتے ہیں، ان کو اللہ قبول کر لیجیے اور ایمان کے ساتھ اس فتنوں کے زمانے میں ہمیں اس دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرما دیجیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى
يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (ال عمران:۳۱)

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 25 مارچ 2005ء مطابق ۱۴۲۶ھ

مقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

موقع: خطبہ جمعۃ المبارک

کونسا علم ضروری ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّم

علم کی فضیلت:

علم ایک نور ہے جو سینوں میں پیدا ہوتا ہے شکوک وشبہات کو دل سے اکھاڑ دیتا ہے۔ انسان کو جیت کے بارے میں شرح صدر عطا فرما دیتا ہے۔

﴿اَلنُّوْرُ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّدْرِ اِنْفَتَحَ﴾

''نور جب سینے میں داخل ہوتا ہے تو سینے کو کھول دیتا ہے''

اس بندے کے لیے شریعت اور سنت پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔ اسی لیے فضیلتیں دو بندوں کے لیے ہیں: ایک ایمان والوں کے لیے، دوسرے ایمان والوں میں سے اہلِ علم کے لیے۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ انسانیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو فضیلت بخشی اور ایمان والوں میں سے اللہ نے علما کو فضیلت بخشی ہے۔ اس علم کی وجہ سے اللہ رب العزت انسان کو درجے عطا فرماتا ہے اس لیے فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ (مجادلہ:۱۱)

''جو علم والے ہوتے ہیں ان کو درجات ملتے ہیں''

علم کی دو قسمیں:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم کسے کہتے ہیں؟ علم دو طرح کا ہے،

(۱) آفاق کا علم (۲) انفس کا علم

آفاق کہتے ہیں جو کچھ انسان کے باہر کی دنیا میں ہے، جو کائنات انسان کے باہر اردگرد جہاں تک بھی پھیلی ہوئی ہے اس کو آفاق کہتے ہیں۔ اور جو کچھ انسان کے اندر ہے اس کو انفس کہتے ہیں۔ ہم باہر نظر اٹھا کر دیکھیں یا اپنے من میں نظر جھکا کر دیکھیں دونوں طرف اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

﴿سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾

''ان کو عنقریب ہم اپنی نشانیاں دکھائیں گے، آفاق میں اور اپنے نفس میں حتی کہ حق روزِ روشن کی طرح واضح ہوجائے گا''

ان کو ﴿فِي الآفَاقِ﴾ تن کی دنیا میں بھی دکھائیں گے اور ﴿فِيْ اَنْفُسِهِمْ﴾ من کی دنیا میں بھی دکھائیں گے۔ ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ حتی کہ ان کے اوپر حق بالکل کھل جائے گا، بالکل واضح ہوجائے گا۔

تو اللہ رب العزت کی آیات (نشانیوں) سے یہ کائنات بھری ہوئی ہے۔ تو یہ کچھ آیات فضا میں پھیلی ہوئی ہیں اور کچھ آیات انسان کے سینے میں ہیں اسی لیے فرمایا:

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ (عنکبوت:۴۹)

''یہ وہ روشن آیات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں''

حقیقی علم کونسا ہے؟

مگران دونوں میں فرق ہے۔جو باہر کا علم ہے وہ علم الاسما اور علم الاشیا کہلاتا ہے اور جو من کا علم ہے کہ انسان اپنے اخلاق کی اصلاح کیسے کرے؟ اپنے اندر کی بیماریاں: کینہ، حسد، بغض، تکبر ان کو کیسے دور کرے اور کیسے اللہ کو راضی کرے؟ یہ حقیقی علم ہے۔ یہ وہ علم ہے جس پر صحیح معنوں میں علم کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

دنیا کا علم قلیل ہے:

اس لیے کہ باہر کی چیزوں کا علم کوئی علم نہیں ہے اور اس کی دلیل قرآن عظیم الشان میں ہے۔ دیکھیے! جو باہر کا علم ہے وہ دنیا سے متعلق ہے اور دنیا کو اللہ تعالیٰ نے بہت قلیل کہا۔ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾

''آپ فرما دیجیے کہ دنیا کی متاع تھوڑی سی ہے''

تو جب متاع دنیا ہی تھوڑی ہے تو اس کا علم بھی اللہ کی نظر میں قلیل ہے بلکہ اقل ہے۔ اس لیے کہ وہ ہے ہی تھوڑا، تھوڑی سی متاع کا علم بھی تھوڑا ہوتا ہے۔ اور جس بندے کے پاس تھوڑا علم ہو تو ہم کہتے ہیں اس کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ کوئی شخص پانچ جماعت پڑھا ہو تو عرف میں کہتے ہیں کہ ان پڑھ ہے۔ آج کل کسی نے میٹرک بھی کی ہوئی ہو تو کہتے ہیں کہ کوئی نہیں پڑھا ہوا۔ کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تھوڑا سا علم ہے، دس جماعتیں بھی کوئی علم ہے؟ ہاں بی اے کیا ہوتا، ایم اے کیا ہوتا پھر کہتے کہ اس نے پڑھا ہے۔ تو اگر آج کی دنیا میں پانچویں جماعت پڑھے بندے کو یا دس جماعت پڑھے بندے کو جاہل کہہ دیتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ تھوڑا علم قابلِ اعتبار

نہیں۔ چنانچہ جب متاعِ دنیا ہی تھوڑی ہے تو قلیل کا علم کثیر کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ظاہر ہے وہ بھی قلیل ہوگا۔ تو قلیل علم پر انسان کو فضیلت نہیں ملتی۔

آخرت کا علم کبیر ہے:

اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ نے آخرت کے لیے قلیل کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ علمی نکتہ ہے، توجہ طلب بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لیے تو قلیل کا لفظ استعمال کیا مگر آخرت کے قلیل کا لفظ نہیں کیا۔ کیا کہا؟ فرمایا:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا﴾ (دھر:۲۰)

''اور تو جب وہاں دیکھے گا تو نعمت اور عظیم الشان سلطنت کو دیکھے گا''

تو آخرت کی دنیا اور اس کی شاہی کے لیے کبیرا کا لفظ استعمال کیا کہ بہت بڑی ہے۔ تو یہ فرق ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ فرمایا دنیا قلیل ہے جب کہ آخری جنتی جب جنت میں داخل ہوگا تو اس کو بھی اس پوری دنیا سے دس گنا بڑی جنت ملے گی۔ تو دنیا کی جنت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ اسی لیے دنیا کے بارے میں ﴿مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ فرمایا اور آخرت کے بارے میں ﴿ملکاً کبیرا﴾ کا لفظ استعمال کیا، ہمیشہ کی سلطنت، اور بہت بڑا ملک آخرت میں دیا جائے گا۔ تو علمِ آفاق سے انسان اس قلیل دنیا کا علم حاصل کرتا ہے اور علم انفس کے ذریعے سے انسان اس ملکا کبیرا کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو ان کے درمیان کوئی نسبت ہی نہ ہوئی۔

آج کی دنیا کی سوچ:

اب دیکھیے کہ آج کی دنیا صرف ظاہر باہر کا جو علم ہے اسی پر فریفتہ ہو چکی ہے۔ کوئی ڈاکٹر بن جائے اس کی نظر میں وہ بڑا زبردست بندہ ہے، کوئی انجینئر بن جائے

اس کی نظر میں وہ بڑا زبردست علم والا ہے لیکن کوئی دین کا علم حاصل کرلے دنیا کے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ پڑھا ہوا نہیں ہے۔ سمجھ الٹی ہوگئی، جس کو اللہ تعالیٰ قلیل کہتے ہیں اس کے جاننے والے کو بڑا سمجھتے ہیں اور جس کو ملکا کبیرا حاصل کرنے کا علم ہے، کہتے ہیں کہ اس کے پاس علم ہی نہیں ہے۔ اب یہ تو بندوں کی سوچ ہے۔

دنیا کا علم رکھنے والے بے علم ہیں:

آیئے اب ذرا آپ قرآن مجید کی طرف رجوع کیجیے! اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ اللہ تعالیٰ دنیا کا علم رکھنے والے لوگوں کو فرماتے ہیں کہ ان کے پاس علم نہیں ہے۔ جن کے پاس فقط دنیا کا علم ہے نا یہ اپنے رب کو نہیں پہچانتے، اپنے رب کی آیات کو نہیں پہچانتے، اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان کے پاس علم ہے ہی نہیں۔ آپ کہیں گے جی اس نے بڑی بات کردی، بھائی اس بات کا ثبوت قرآن عظیم الشان سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

''اکثر لوگ علم نہیں رکھتے''

﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾

''یہ جانتے ہیں فقط دنیا کے ظاہر کا علم''

جو دنیا کے ظاہر کا علم جاننے والے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لایعلمون ''علم نہیں رکھتے'' بے علم ہیں۔ تو فقط دنیا کے ظاہر کو جان لینا یہ کوئی علم نہیں ہے۔

نعمت میں کھو جانا جہالت ہے:

اس کی ایک وجہ ہے۔ ایک ہے نعمت، ایک ہے منعم حقیقی اور ایک ہے منعم علیہ۔

یعنی ایک ہیں اللہ تعالیٰ، ایک ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت جو اس پوری دنیا میں آگے پیچھے پھیلی ہوئی ہے اور ایک ہے انسان جو نعمت کو استعمال کرتا ہے، حاصل کرتا ہے۔ انسان اگر نعمت کی اہمیت کو پہچانے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے منعمِ حقیقی کا احسان مند رہے اور جو نعمت میں گم ہو کر رہ جائے اور منعمِ حقیقی کو بھول جائے تو اس کو جاہل ہی کہا جائے گا۔

آج کفر کی دنیا اسی کفر میں پڑی ہوئی ہے کہ مادے کے اوپر ریسرچ کر کے وہ مادے کی نعمتیں حاصل کرنے میں گم ہے۔ تو نعمت میں ڈوب جائیں اور نعمت دینے والے کو بھول جائیں، یہ تو جہالت ہوئی، یہ تو بے وقوفی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں: اے میرے بندے! حسن تو تجھے میں نے دیا، تو حسن کے پیچھے بھاگتا پھرتا ہے اور حسن دینے والے کو بھول جاتا ہے۔

حسن کی پوجا:

حسن کی پوجا کرتا پھرتا ہے جیسے کوئی کسی کی پوجا کرتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا کے لوگوں سے محبت کرتے ہیں، انہوں نے اپنے دلوں کے اندر کچھ مورتیاں سجائی ہوئی ہوتی ہیں، ان کا دل صنم خانہ ہے، بت خانہ بلکہ سچ کہوں کہ ان کا دل گند خانہ بنا ہوتا ہے۔ نفسانی، شیطانی محبتوں کی طرف وہ مائل ہوتے ہیں۔ وہ دل کوئی دل ہوتا ہے وہ تو سل ہوتا ہے۔ تو مورتیاں سجائی ہوئی ہیں، دعائیں بھی یہی مانگتی ہیں کہ وہی مل جائے۔ تہجد بھی پڑھ رہی ہیں تو اب اسی کی دعا، وظیفے بھی کر رہی ہیں تو اسی کی دعا، چوبیس گھنٹے ذہن میں ایک ہی سوچ مسلط ہے کہ وہ مل جائے۔

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ (الحج: ۷۳)

''طالب اور مطلوب دونوں ضعیف ہیں''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو طلب کیا جارہا ہے اور جو طلب کر رہا ہے یہ دونوں بھولے اور ضعیف ہیں۔ اور کئی مرتبہ یہ محبت بندے کی اتنی بڑھتی ہے کہ وہ گویا اس کی پوجا کر رہا ہوتا ہے۔ تو آپ کہیں گے جی اتنا بڑا لفظ استعمال کر دیا، سنیے! قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیتے ہیں۔

﴿يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۶۵)

''ان سے محبت اس طرح کرتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے''

یہ جو ہر وقت دل پر کسی کا خیال جما رہتا ہے، چھایا رہتا ہے، اس کے بغیر چین نہیں آتا، سکون نہیں آتا، رات کو نیند نہیں آتی کچھ اچھا نہیں لگتا۔ ﴿يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ یہ اس سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی کہ محبت اللہ رب العزت سے کی جاتی ہے۔ تو ایسی محبت انسان کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔

جائز محبت کی بھی حد ہے:

اب آپ کہیں گے، جی یہ محبتیں تو جائز ہیں۔ کچھ تو ناجائز ہیں ان کی تو بات ہی نہیں کرنی، جو جائز بھی ہیں نا ان کی بھی ایک حد ہے۔ یہ نہیں ہے کہ بیوی کہے کہ جی خاوند سے محبت کرنا لازمی ہے لہٰذا خاوند کے کہنے پر دہ چھوڑ دیں، دیکھیں محبت میں فرق ہے۔

﴿لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ﴾

''خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں کی جائے گی''

حکمِ خدا حکم خدا ہے، یہ وہ محبتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں۔ ماں باپ کی محبت ہے، یہ شریعت میں جائز محبت ہے لیکن اگر ماں باپ فسق و فجور والے ہوں اور

بچے کو کہیں کہ داڑھی کٹوا دو، بچے کو کہیں کہ تم فسق و فجور والی زندگی گزارو اور ہمارے ساتھ بیٹھ کے ٹی وی دیکھو! تو ان کی ایسی بات نہیں ماننی۔ ان کی ایک حد ہے اگر وہ حد انسان کراس کر گیا تو پھر جائز محبتیں بھی نا جائز ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُكُمْ وَ اَبْنَآءُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (التوبة:۲۴)

سب محبتیں جائز ہیں مگر ان میں احبیت آ گئی تو فرمایا: پھر منتظر رہو اللہ اپنے عذاب کا کوڑا تم پر پھینکے گا۔ تو معلوم ہوا یہ محبتیں اللہ تعالیٰ کی محبت سے نیچے رہیں گی اور اس کی محبت کے حاصل ہونے کا ذریعہ بنیں گی تو یہ سب جائز ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی محبت کے راستے میں رکاوٹ بنیں گی تو یہ سب نا جائز ہیں۔

تخیل کے بت:

اب بتائیے کہ نماز میں کھڑا ہے تو بیوی بچوں کا خیال، کسی کو دوست کا خیال، کسی کو کزن کا خیال، کسی کو یونیورسٹی کالج کی ہم جماعت کا خیال تو پھر یہ کیا ہے؟

﴿يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ (البقرة:۱۶۵)

اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سارا دن اُس کا خیال ہے۔ یہ بت ہیں جو انسان نے دل میں سجائے ہوتے ہیں۔ یہ بت فقط پتھر کے ہی نہیں ہوتے، تخیل کے بھی بت ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں! ایمانِ حقیقی کی لذت تب نصیب ہوتی ہے، جب انسان پتھر کے بتوں کو بھی توڑے اور تخیل کے بتوں کو بھی توڑے۔

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں یا پتھر کے

جب تک ان بتوں کو نہیں توڑیں گے تب تک ایمانِ حقیقی کی لذت نہیں ملے گی۔ اسی لیے تو کہنے والے نے کہا:

ترکت الات والعزی جمیعا
کذلك یفعل الرجل البصیر

بصیرت رکھنے والا ہر بندہ ایسے کرتا ہے، ان بتوں کو توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذت محسوس کرنا چاہتے ہیں تو یہ جو صنم خانہ ہے، گند خانہ ہے، اس کی صفائی کرنی پڑے گی۔ ان بتوں کو توڑ کر ان سے نکلنا پڑے گا، تو کفر کی دنیا کو دھوکا کیا لگا؟ کہ نعمت میں ڈوب گئے اور رب کو بھول گئے۔

جس کا کھائیے اس کے گیت گائیے:

بھئی! دستور کی بات یہ ہے کہ جس کا کھائیے، اس کے گیت گائیے۔ ہم اللہ تعالیٰ کا دیا کھاتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے گیت گائیں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کریں، اپنے مولا کے شکر گزار بندے بن جائیں۔

کنگ پیتے ہیں ساگ کھاتے ہیں
اللہ سائیں کے گیت گاتے ہیں

ایسے انسان محنت کرے نا! اسی لیے سیدنا سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایسا اللہ تعالیٰ نے ان کو ملک دیا، شاہی دی کہ ایسی شاہی دنیا میں کسی کو نہیں دی۔ انسان، حیوان، چرند پرند، جنات سب پر ان کی شاہی تھی۔ خشکی کی مخلوق کے بھی بادشاہ تھے، تری کے مخلوق کے بھی بادشاہ تھے۔ ایسی بادشاہی دی، اتنی نعمتیں دیں، ان نعمتوں میں رہ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ کے لیے

استعمال کیا، اللہ تعالیٰ کو یاد کیا، حکمِ خدا کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نعم العبد بہترین بندہ بنایا۔ تو معلوم ہوا کہ اگر ہم ان نعمتوں میں زندگی گزاریں لیکن اپنے خالقِ حقیقی کو یاد رکھیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نعم العبد یعنی بہترین بندہ سمجھیں گے۔

پڑھے لکھے جاہل:

اور اگر ان نعمتوں میں لگ کر اپنے منعمِ حقیقی کو بھول جائیں تو پھر ہم جاہل ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

''اکثر لوگ یہ علم نہیں رکھتے''

لاعلم ہیں بے علم ہیں یہ کون ہیں۔

﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ ﴾ (روم: ۷)

''یہ دنیا کے ظاہر کا علم جانتے ہیں، آخرت سے غافل ہیں''

تو بھئی جس طرح پانچ پڑھے کو لوگ جاہل کہہ دیتے ہیں، ایسے ہی دنیا کا علم کوئی رکھتا ہو اور آخرت کی طرف دھیان ہی نہ ہو تو وہ علم رکھنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ جاہل کہتے ہیں۔ اور اگر فقط دنیا کی کمپیوٹر سائنس پڑھ لی، بڑی انجینئرنگ کر لی بڑا افلاں کر لیا۔ ٹھیک ہیں یہ سب نعمتیں ہیں لیکن ان کی ڈائریکشن ٹھیک ہونی چاہیے۔ اگر ان کی سمت ٹھیک نہیں اور فقط دنیا میں کھاؤ پیو اور عیش اڑاؤ تک ہے تو اس نے تو پھر انسان کو مقصدِ حقیقی سے ہٹا دیا۔ تو مقصود سامنے رہے، ایسا نہ ہو کہ قلیل کے پیچھے لگ کر انسان ملکا کبیرا کو بھول جائے۔

منعم حقیقی کو بھولنے والوں کیلیے ہلاکت:

تو ہم نعمتوں کو استعمال کریں اور پھر اپنے رب کا شکر بھی ادا کریں۔ اصل مقصود تو وہی ہے۔ یاد رکھیں! جو انسان نعمتیں تو استعمال کرتا ہے لیکن منعمِ حقیقی کو بھول جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس بندے پر بہت ہی زیادہ غصہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ایک جگہ اس بندے کے بارے میں جو اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے ارشاد فرمایا:

﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ﴾ (عبس:۱۷)

''مارا جائے یہ انسان جس نے کفر کیا''

ذرا اندازہ لگائیے کہ کیا اندازِ شاہانہ اختیار کیا گیا۔

﴿مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ○ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○﴾ (عبس:۱۸۔۱۹)

''کس چیز سے اسے پیدا کیا؟، نطفہ سے پیدا کیا اور اس کا اندازہ مقرر کیا''

﴿ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ○ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ○ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ○﴾

(عبس:۲۰۔۲۲)

''پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا، پھر اسے موت دی اور قبر میں ڈالا پھر جب چاہے گا اسے کھڑا کر دے گا''

تو معلوم یہ ہوا کہ ہم فقط ظاہر دنیا کا علم حاصل کر کے مطمئن نہ ہو جائیں۔ یہ متاع قلیل کا علم ہے اور اصل علم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ملکا کبیرا اس کے علم کو حاصل کرنا ہے اور وہ علم، علم انفس سے حاصل ہوتا ہے۔

آج علم ظاہر کی اہمیت ہے:

آج آپ اگر غور کریں تو صبح کے وقت ہمارے گھروں سے یہ جو ہماری بیٹے

بیٹیاں کتابیں بستے ہاتھ میں لے کر نکلتے ہیں ان کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ لاکھوں میں ان کی تعداد ہے لیکن رخ کدھر ہوتا ہے؟ سکولوں کالجوں کی طرف۔ اور قرآن اور حدیث پڑھنے والے کتنے ہوتے ہیں؟ ایک فیصد بھی نہیں ہوتے۔ اب جس قوم کے ایک فیصد بچے بھی قرآن اور حدیث پڑھنے کے طرف نہیں جاتے تو پھر اس قوم نے کس علم کو اہمیت دی ہے؟ علمِ ظاہر کو۔ اور اہمیت کیوں دے رہیں؟ اس لیے کہ اس سے پیسہ آتا ہے۔ اگر لوگوں کو پتہ ہوتا کہ دورۂ حدیث کر لینے سے پچاس ہزار روپیہ تنخواہ بن جائے گی تو پھر دارالعلوم کے اندر لائینیں لگی ہوتیں، بیٹھنے کی جگہ ہی نہ ملتی۔ پھر ویٹنگ لسٹیں بنی ہوتیں۔ وزیر صاحب آرہے ہوتے کہ جی میں بھی اپنے بیٹے کو عالم بنانا چاہتا ہوں لیکن مقصد کیا ہوتا؟ پچاس ہزار روپے۔

مقصدِ زندگی اور ضرورتِ زندگی:

تو بھئی یہ علمِ ظاہر حاصل کرنا منع نہیں ہے۔ فرق اتنا ہے کہ یہ ضرورتِ زندگی ہے اور وہ مقصدِ زندگی ہے۔ یہ علم کیا ہے؟ ضرورتِ زندگی ہے۔ اسے حاصل کیے بغیر دنیا میں انسان دوسروں کے ساتھ انٹرایکٹ نہیں کرسکتا، اللہ کے قانون کو نافذ نہیں کرسکتا، تو یہ علم حاصل کرنا بھی ضروری مگر ضرورت کی حد تک۔ لیکن وہ علم کہ جس سے اللہ رب العزت کی رضا ملے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ انسان کو سمجھ میں آجائے وہ علم حاصل کرنا مقصدِ زندگی ہے، دونوں میں یہ فرق ہے۔

عالم کا مقام:

اس لیے ارشاد فرمایا کہ علم والوں کے درجات اللہ رب العزت بڑھاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ ظاہر میں انسان کے جسم میں جو دل کی حیثیت ہے معاشرے کے اندر وہی

حال عالم کا بھی ہے۔ اگر انسان کا دل بیمار ہو جائے تو پورا جسم بیمار ہو جاتا ہے، دل کا مریض ہمیشہ قابل رحم ہوتا ہے، جسمانی مریض ہو یا روحانی مریض ہو۔ اسی طرح اگر عالم بگڑ جائے تو بھی مریضِ قلب کی طرح ہوتا ہے۔ قلبِ سقیم کی طرح ہوتا ہے، قابلِ رحم حالت ہوتی ہے اس کی۔ اگر کسی انسان کا دل صحت مند ہو تو بلڈ پریشر بھی ٹھیک ہوتا ہے اور صحت بھی اچھی رہتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی معاشرے میں علما ٹھیک ہوں صاحبِ علم اور ورع اور تقویٰ والے ہوں تو پھر پورے معاشرے کی کیفیت اور ہو جاتی ہے۔ دل کے بگڑنے سے انسان بگڑتا ہے اور دل کے سنورنے سے انسان سنورتا ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ علما کے سنورنے سے معاشرہ سنورتا ہے اور علما کے بگڑنے سے معاشرہ بگڑتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت اس امت کی کشتی کیسے ڈوبے گی؟ فرمایا علما کے ذریعے سے۔

اس نے حیران ہو کے پوچھا کہ حضرت اس امت کی کشتی کنارے کیسے لگے گی؟ فرمایا: علما کے ذریعے سے۔

تو وہ بڑا حیران ہوا کہ ڈوبے گے بھی علما کی وجہ سے اور کنارے بھی لگے گی علما کی وجہ سے۔ فرمایا: ہاں، جو علمائے سو ہوں گے ان کی وجہ سے کشتی ڈوبے گی اور جو علمائے حق ہوں گے ان کی وجہ سے کشتی کنارے لگ جائے گی۔ یہ جو درباری ملا ٹائپ لوگ ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے کشتی ڈوبے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ علما کی حیثیت دریا کی سی ہے اور عوام کی حیثیت نہر کی سی ہے، جب دریا کا پانی گدلا ہوگا تو نہروں میں بھی گدلا پانی آئے گا اور دریا کا پانی صاف ہوگا تو نہروں میں بھی صاف پانی آئے گا۔

علما کی تربیت کی ضرورت:

آج پتہ کیا ہوتا ہے کہ جمعہ پڑھانا ہوتا ہے، کہتے ہیں دو چار اخبار لے آنا۔ اخباری جمعوں سے امت کی اصلاح تھوڑی ہوتی ہے؟ اب دو چار اخبار پڑھ کر جو جمعے کے خطبے میں تبصرے کر دیے جائیں گے تو ان تبصروں سے قوم کی اصلاح تھوڑی ہوگی۔ آپ جمعہ پڑھانے کے لیے مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کرتے، بخاری شریف کا مطالعہ کرتے، مسلم شریف کا مطالعہ کرتے تو سمجھ میں آتی بات کہ آپ قوم کو کچھ نعمت دے رہے ہیں۔ اخباری جمعے!! دو چار نعرے ہوں ہاں کے لگ گئے اور کہتے ہیں جی بس ہم نے بڑا کام کیا۔ اپنی حالت کیا ہوتی ہے؟ ملک کے صدر کو گالیاں نکالتے ہیں اور مسجد کے صدر سے ڈر رہے ہوتے ہیں، مسجد کے صدر کے سامنے خود جھک رہے ہوتے ہیں، پتہ ہے کہ یہ نکال دے گا۔ اب توحید کہاں گئی؟ تو اس لیے اہلِ علم کی اصلاح زیادہ اہم ہے کہ وہ آگے معاشرے کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں Trained the trainer کہ جو آگے تربیت دینے والا ہو تم اس کو تربیت دے دو۔

من کا اندھیرا:

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

"اکثر لوگ نہیں جانتے"

﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ﴾

"کہ وہ دنیا کے ظاہر کو جانتے ہیں"

تو اس کا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں جو فقط ظاہر کا علم رکھنے والے لوگ ہیں وہ بے علم ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں جاہل ہیں:

﴿وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ﴾

''اگر وہ آخرت سے غافل ہیں''

علامہ اقبال نے کہا:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

پوری دنیا کو قمقموں سے روشن کرنے والا انسان اپنے من میں اندھیرا لیے پھرتا ہے۔ پھر باہر کے گھر کے چراغ کیا کریں گے جب تیرے دل کے گھر کا چراغ بجھ گیا۔

ظاہری علم کب فائدہ مند ہوتا ہے؟

اس لیے یہ جو باہر کا علم ہے نا آفاق کا علم یہ بھی تب فائدے مند ہے جب اس کی سمت ٹھیک ہو اور یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے۔ اگر اس کی سمت ٹھیک ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے اور انسان کی کیفیت یہ ہو:

﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾

اور وہ کیا کہتے ہیں؟

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا﴾ (آل عمران:۱۹۱)

اگر یہ کیفیت ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک بندے نے یہ الفاظ پڑھے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساری زندگی کے گناہوں کو بخش دیا کہ اس نے بھرے آسمان کو دیکھا، غور کیا، میری عظمتوں کو پہچان لیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مادی علم، یہ ظاہری دنیا کا علم تبھی فائدہ مند ہے جب یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب بناتا ہے۔ اور جب یہ خالق سے غافل کر کے اپنے ہی اندر گم کر دے تو یہ ٹریک بن جاتا ہے۔

بے دینوں کی غلط فہمی:

چنانچہ ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی مفتی صاحب سے بات کر رہا تھا، بات کرتے ہوئے مفتی صاحب سے کہنے لگا آپ کچھ پڑھے لکھیں بھی ہیں؟ اب اندازہ لگائیے! وہ بات مفتی صاحب سے کر رہا ہے اور پھر کہتا ہے آپ کچھ پڑھے لکھے بھی ہیں۔ کتنی سوچ میں تبدیلی آگئی کہ جس شخص نے قرآن وحدیث کے علوم کو اپنے سینے میں سمیٹ لیا، اس سے پوچھ رہیں ہیں کہ مفتی صاحب آپ کچھ پڑھے ہوئے بھی ہیں؟ یعنی وہ انگریزی کی کٹ مٹ جو وہ پڑھا ہوا ہوگا، یہ اس کو پڑھا لکھا سمجھتے ہیں ورنہ اس کو جاہل سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں جو دین کی اہمیت کو نہ سمجھتے ہوں، جو آخرت سے غافل ہوں، اللہ تعالیٰ سے غافل ہوں، وہ جتنی بھی معلومات اکٹھی کر لیں وہ سارے کے سارے بے دین لوگ ہوتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (روم:۷)

اصلی علم شکر گزاری سکھاتا ہے:

جو اصلی علم ہے وہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی معرفت دیتا ہے اور اس کی شکر گزاری

سکھاتا ہے۔ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیے دی ہیں کہ ہم ان نعمتوں کو استعمال کریں اور اپنے منعمِ حقیقی کے شکر گزار بندے بن جائیں۔ اسی لیے کسی بندے کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دیا ہو اور وہ فقیر بن کے زندگی گزارے، پھٹے پرانے کپڑے پہنے، اللہ تعالیٰ اس چیز کو پسند نہیں فرماتے۔

﴿ يُحِبُّ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَّرٰى عَلٰى عَبْدِهٖ ﴾

''اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے کے اوپر دیکھے''

''کہ وہ دیکھے''

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نعمت دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھنا پسند فرماتا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ صاف ستھرا رہے۔ تو نعمتیں استعمال کرنا برا نہیں ہے لیکن نعمتوں کو استعمال کر کے دینے والے کو بھول جانا یہ برا کام ہے۔

آج جس کو دیکھو! وہ دعا میں یہ چیزیں مانگ رہا ہے، اللہ تعالیٰ رزق بڑا کر دے، کامیاب کر دے، صحت دے دے، بیوی دے دے، گھر دے دے، گاڑی دے دے، سب نعمتیں مانگی جا رہی ہیں، کیا اس نے یہ بھی دعا مانگی ہے؟ اے اللہ! اپنی محبت عطا فرما دے۔ کوہلو کے بیل کی طرح کہ وہ بے چارہ ساری رات چلتا ہے، صبح جب اس کی آنکھوں سے پٹی کھولتے ہیں تو جہاں چھوڑا تھا، وہیں کھڑا ہوتا ہے۔ یہ دنیا کی چکی میں گھومنے والے، جدھر سے چلتے ہیں عمر گزار کے وہی کھڑے ہوتے ہیں۔ تو اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی معرفت نصیب ہو جائے اور انسان اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ بن جائے۔ اگر اس بندے میں بندگی ہے تو یہ کامیاب ہے ورنہ پریشانی ہے، اسی کو ہمارے بزرگوں میں سادہ لفظوں میں کہہ دیا: ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

آج زندگی میں بندگی والے تو تھوڑے ہیں شرمندگی والے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرمندگی سے نجات عطا فرمائے اور اپنی بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔

عالم اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے:

ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (زمر:۹)

اے محبوب! ارشاد فرما دیجیے: اب اس بات کو کرنے کا اور بھی انداز ہو سکتا تھا لیکن اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کے ذریعے سے ایک بات کروائی۔ قل یہ جو قل کا لفظ ہے نا یہ اعلان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حکومت کچھ کام کرتی ہے غیر اعلانیہ، کچھ کاموں کا اعلان کرواتی ہے۔ جو اعلانیہ کام ہوتے ہیں وہ بڑے مہتم بالشان اور عظیم کام ہوتے ہیں۔ تبھی تو حکومتیں اعلان کرواتی ہیں کہ ہم نے جی ایک نیا پروجیکٹ شروع کیا، ایک نئی پالیسی ہم نے شرع کروا دی، ایک نیا روڈ میپ لیا۔ تو بڑے کاموں کے اعلانات کیے جاتے ہیں، اللہ پاک نے بھی اس بات کو کروانے کے لیے جو قل کا لفظ اپنے محبوب سے استعمال کروایا، مطلب یہ کہ Anouncement ہو رہی ہے، اعلان ہو رہا ہے۔ قل فرما دیجیے: آگے کیا؟

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ﴾

''کیا عالم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں''

اب ھل استفہامیہ آگے لے آئے اور بات کا انداز یہ اپنایا کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔ اس میں کنایہ ہے اور علما نے لکھا کہ

اَلْكِنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ الصَّرِيْحِ

کہ کنایہ میں کوئی بات کی جائے تو اس میں زیادہ بلاغت ہوتی ہے بہ نسبت صراحت سے بات کرنے میں۔ تو اللہ رب العزت نے یہاں کنائے میں بات فرما دی۔ کیا بات کی؟ وہ فرما سکتے تھے کہ علم والے بے علم لوگوں سے افضل ہیں، مگر یہ انداز کیوں نہیں اپنایا؟ اس لیے نہیں اپنایا کہ رب کریم جانتے تھے کہ میرے بندوں کے دماغ چھوٹے ہیں، اس بات کو پڑھ کر کہیں علم والوں کے دماغ نہ خراب ہو جائیں، کہیں ان کے اندر فخر نہ آجائے، میں نہ آجائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کنائے میں بات کرنا پسند کیا اور کہا کہ مقصد بھی سمجھ لیں اور دماغ میں کوئی فطور بھی پیدا نہ ہو۔ تو کیا فرمایا؟

﴿هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ﴾ (زمر:۹)

''کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں''

اولوا الالباب کون ہیں؟

آگے فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (زمر:۹)

انما حصر کا کلمہ ہے کہ جو اس بات کو سمجھتے ہیں عقل والے وہی ہیں، جو اس بات کو نہیں سمجھتے ہیں وہ عقل والے ہی نہیں ہیں۔

اچھا اس کے بعد يَتَذَكَّرُ کا لفظ استعمال کیا يَتَعَلَّمُ کا لفظ بھی استعمال فرما سکتے تھے۔ تو یہ فرق کیا ہے؟ تو اس پر بھی مفسرین نے نکتہ بیان فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ جو تــذکــر کا لفظ ہوتا ہے وہ بھولے سبق کو یاد دلانا ہوتا ہے، یہ انسان کا بھولا ہوا سبق ہے۔ یہ سبق اللہ تعالیٰ نے کب پڑھایا تھا؟ یہ پڑھایا تھا یومِ وصال میں جب پوچھا

تھا:

﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

''سب نے کیا جواب دیا تھا''

﴿ قَالُوْا بَلٰی ﴾ ''کہا: جی ہاں آپ ہی ہیں''

کہ ہم نے یہ سبق پڑھا ہوا تھا دنیا میں آ کے اس سبق کو بھول گئے اور اپنے رب کی طرف سے انہوں نے رخ پھیر لیا، اس کی طرف پیٹھ کر دی۔ اب ان کو وہ سبق یاد دلا رہے ہیں اسی لیے تذکر کا لفظ استعمال ہوا۔

﴿ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾

اس کی پرکھ رکھتے ہیں عقل والے، اس کو سمجھتے ہیں، جانتے ہیں۔ یہ پرانی بات ہے، یہ کوئی نئی بات تمہیں نہیں بتا رہے، یہ پرانا سبق یاد دلا رہے ہیں۔ مگر یہ جاننے والے کون ہیں اولوا الالباب یہاں پر اولوالعقول تو نہیں فرمایا: اولوا الالباب کہا تو مفسرین نے ایک نکتہ لکھا ہے کہ لب کہتے ہیں:

﴿ اَلْعَقْلُ بِدُوْنِ الْوَهْمِ وَ الشَّهْوَةِ ﴾

''جو عقل وہم سے اور شہوت سے خالی ہو''

اگر عقل میں وہم ہو اور شہوت ہو تو وہ کبھی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے کفار کے پاس عقل ہوتی ہے لب نہیں ہوتا، ان کی عقل پر ان کی شہوت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس لیے تالیوں کی گونج میں وہ بل پاس کرتے ہیں کہ مرد سے مرد کی شادی جائز ہے۔ عقل پر پردے پڑے یا نہیں پڑے؟ یہ دیکھو! ان کی عقل نے ان کو کیا سکھایا؟ قانون پاس ہو رہے ہیں کہ مرد کی مرد سے شادی جائز ہے۔ خلافِ فطرت بات ہے لیکن یہ عقل ہے اس پر شہوت کا غلبہ ہے، وہم کا غلبہ ہے۔ اس لیے یہاں فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ ﴾

''اس کولب رکھنے والے، صحیح سمجھ رکھنے والے جانتے ہیں''

تو جس کے پاس یہ لب نہیں، اس کے پاس کچھ نہیں۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ وہ عقل عطا فرما دے جو حقیقتوں کو سمجھنے والی ہو۔

درجات اہلِ علم کے لیے ہیں:

معلوم ہوا اللہ رب العزت نے اہلِ علم حضرات کے لیے درجات بنائے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾

(الطلاق:۱۱)

'جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا ان کو اللہ تعالیٰ بلند درجے عطا کرے گا''

کافروں سے مومن کو فضیلت اور مومنوں میں علما کو فضیلت حاصل ہے۔ یہ درجات اللہ نے بنا دیے۔ مگر یہ علم والے بھی سمجھ لیں۔

﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴾

''ہر علم کے اوپر بھی ایک علم والا ہے''

یہ اہل علم بھی ذرا نخرے میں نہ آئیں کہ پتہ نہیں ہم کیا بن گئے؟ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس نے یہ نعمتیں عطا فرمائیں۔ اس لیے ہم اپنے دلوں کو صاف کریں، اپنے رب کی یاد اپنے دلوں میں بسائیں، اپنے علم کے نور سے اپنے دلوں کو منور کریں، اگر ایسا کریں گے تو یہ علم فائدہ مند ہوگا۔

ظاہری علوم کا حصول بھی واجب ہے:

یاد رکھیں کہ آفاق کا علم حاصل کرنا یہ واجب ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس علم کی وجہ سے کافر مسلمانوں پر غالب آسکتے ہوں اس علم کا حاصل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔ دیکھو! یہ ہے اصل نکتہ۔ اگر مسلمان مغلوب ہو جاتے ہیں کسی وجہ سے اور اسلام کا پرچم نیچا ہو جاتا ہے کسی وجہ سے تو فرمایا کہ تم وہ علم حاصل کرو جس سے وہ غالب آسکتے ہیں اور اعلائے کلمہ کے لیے نکلو! تو جس علم کی وجہ سے کافر مسلمانوں کے اوپر غالب آسکتے ہیں، اس علم کا حاصل کرنا واجب ہے۔

لیکن جس علم کی بات ہم کر رہے ہیں یہ علم النفس سے تعلق رکھتا ہے کہ انسان کے نفس کی اصلاح کیسے ہوتی ہے؟ اللہ کی رضا کیسے ملتی ہے؟ انسان کی روح کو غذا کیسے ملتی ہے؟ یہ علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔ اب درجے کا اندازہ آپ خود لگائیں۔ جو کالجوں یونیورسٹیوں میں جا رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ کہیں تو وہ واجب پر عمل کر رہے ہیں، لیکن جو مدارس میں جا رہے ہیں وہ فرضِ عین پر عمل کر رہے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم علما کی قدر کریں اور ان کا اکرام کریں اور خود بھی علم حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ سے علم کا نور مانگیں۔

اصل علم کی تعریف:

۷۴۔۱۹۷۳ء کی بات ہے کافی پرانی بات ہے، ایک مرتبہ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے۔ ہم بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تھوڑے وقت میں اللہ والے بڑی قیمتی باتیں بتا جاتے ہیں۔ اور بھی کچھ طلبا ملنے آئے ہوئے تھے تو حضرت نے علما سے پوچھا کہ بھئی علم کیا ہوتا ہے؟ علم کا مفہوم کیا ہے؟ کسی نے کہا: جاننا، کسی

نے کہا: پہچاننا، کسی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی معرفت۔ حضرت خاموش بیٹھے رہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ ہی بتا دیجیے علم کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے عجیب جواب دیا، فرمایا: علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔ اگر یہ کیفیت ہے تو علم ہے، ورنہ وبال ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں علم کا نور عطا فرمائے۔ اصل یہ علم ہے، یہ علم حاصل کرے تو انسان اشرف المخلوقات بن جاتا ہے، علامہ اقبال نے ایک عجیب خوبصورت شعر کہا: ؎

کہا کہ کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
اور مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

تو یہ علم جب بندہ حاصل کر لیتا ہے تو پھر آفاق اس میں گم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسا قلب بسیط عطا فرماتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اسکو مقام تسخیر عطا فرماتے ہیں۔ ممبر پر کھڑے ہوتے ہیں، یا ساریة! الجبل کہتے ہیں اور ہوا ان کے پیغام کو سینکڑوں میل دور پہنچا دیتی ہے۔ اگر دریا کے نام پر رقعہ لکھ دیتے ہیں تو پھر دریا کا پانی بہنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر کوئی درخت پر چڑھ کے اعلان کر دیتا ہے: جنگل کے جانورو! جنگل خالی کر دو! آج محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا بسیرا ہے تو شیرنی بھی اپنے بچے کو لے کر وہاں سے بھاگ نکلتی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس علم کا نور حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن